

مرکز اہل السنۃ والجماعت سرگودھا کاترہماں

مدیر اعلیٰ

مولانا محمد الیاس گھمن

سرگودھا

فقہ

ماہنامہ

شمارہ (121)

نومبر، دسمبر 2013ء

جلد نمبر 3

بانی دارالعلوم ادیوبند کی حدیثی خدمات

مؤمل بن اسماعیل جرح و تعدیل کے آئینہ میں
موزوں پر سح کرنے اور جرابوں پر نہ کرنے کے دلائل
طالب حدیث کو امام بخاریؒ کی عجیب نصیحت

فضائل اعمال پر اعتراضات کا علمی جائزہ
ضعیف حدیث کے متعلق اہم رہنمائی

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

ناشر

مرکز اہل السنّت والجماعت سرگودھا کاترجمان



شماره 11، 12

نومبر، دسمبر 2013ء

جلد نمبر 2

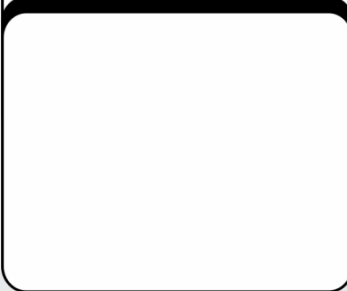
معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ
نگران شعبہ رسائل و جرائد

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

انجینی ہولڈرز زمہ لگائیں اور ہدیہ دینے والے اپنا نام لکھیں!



بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

● آپ یہ شمارہ آن لائن پڑھ اور ڈاؤن لوڈ

بھی کر سکتے ہیں



www.ahnafmedia.com

سرکولیشن مینیجر

0332-6311808

Contact Us

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

300 روپے سالانہ زر تعاون

www.ahnafmedia.com

zarbakaleem313@gmail.com

مرکز اہل السنّة والجماعة



فہرست

- تبلیغی جماعت کا خاموش انقلاب (اداریہ) ----- 3
- کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم دوسری قسط (مفتی رئیس احمد) ----- 7
- جراہوں پر مسح نہ کرنے کے دلائل (مولانا محمد الیاس گھمن) ----- 9
- بانی دارالعلوم دیوبند کی حدیثی خدمات (مولانا اسجد قاسمی) ----- 15
- کیا فقہاء حدیث دان بھی ہوتے ہیں ؟ (علامہ خالد محمود) ----- 29
- طالب دنیا اور طالب آخرت (مولانا محمد الیاس گھمن) ----- 36
- سیدنا علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ (مولانا محمد عاطف معاویہ) ----- 51
- فضائل اعمال پر اعتراضات کا علمی جائزہ (مولانا الیاس گھمن) ----- 56
- مَوَل جرح و تعدیل کے آئینہ میں (مفتی محمد یوسف) ----- 72
- طالب حدیث کو امام بخاری کی نصیحت (مولانا محمد زکریا) ----- 83
- امام محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ (مولانا محمد ارشد سجاد) ----- 89
- لوح ایام (ادارہ) ----- 95

تبلیغی جماعت کا خاموش انقلاب

اداریہ

ہر مسلمان کی ایک فکر ہونی چاہیے کہ لوگ جہنم کے عذاب سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جائیں اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے جسے ”سنت“ کہتے ہیں۔ محبت و اطاعت رسول کی بدولت توحید ملتی بھی ہے، قائم بھی رہتی ہے اور کار آمد توحید بھی صرف یہی کہلاتی ہے۔

اسلام کے ابدی قوانین کے نزول کے بعد اس کو تاقیامت باقی رکھنے کے لیے ”شعبہ تبلیغ“ کو وجود عمل میں لایا گیا۔ ادوار کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مقتضائے احوال کے مطابق کے اس کی مختلف صورتیں سامنے آتی رہیں۔ تذکیر و موعظت پند و نصائح، درس و تدریس، تعلیم و تعلم..... درس گاہ، خانقاہ، مدارس و مساجد وغیرہ میں یہ عمل تسلسل سے چلتا رہا ہے۔

خیر القرون گزرا، صحابہ و تابعین جیسی شخصیات دنیا سے روپوش ہوتی چلی گئیں، فقہاء، علماء، محدثین، مفسرین، اولیاء اور نیک لوگ بھی دھیرے دھیرے جانے لگے۔ اہل اسلام پر جان لیوا مصائب، آزمائشیں اور امتحانات شکلیں بدل بدل کر آنے لگے۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے حاصل مطالعہ یہ ملتا ہے کہ غیر مسلم اقوام پہلے خونِ مسلم کی پیاسی تھی، اہل ایمان کو تہہ تیغ کر کے اپنی ”فتح“ کے جھنڈے گاڑ دیتی تھی۔ لیکن پھر پانسلاپٹا..... خونِ مسلم کے ساتھ ساتھ ان کے ایمان و اسلام کو بھی ختم کرنے کے درپے ہو گئیں۔ سب سے زیادہ عیسائیت نے اہل اسلام کو اپنے دین سے برگشتہ خاطر کرنے کے لیے حربے استعمال کیے، اپنے نظریات اور مذہب کو عام

کرنے کی خاطر زر، زن اور زمین کے دلربا جھانسون کے ساتھ ساتھ اپنے افکار کی اشاعت میں سرگرم عمل نظر آئے۔ ان کی طویل محنت کے نتیجے میں اہل اسلام کے قلوب سے محبت رسول کا بنیادی نقطہ مٹ کر کفر کا دھبہ لگنا شروع ہو گیا، دنیا کی محبت اور لالچ نے اہل اسلام کو نام نہاد مسلمان بنا دیا تھا۔

یہ درست ہے کہ ابھی تک در سگاہ میں دینی احکامات کے سبق پڑھائے جا رہے تھے۔ خانقاہ میں تزکیہ نفوس کی محنت ماند نہیں پڑی تھی لیکن زمینی حقائق یہ بتاتے ہیں ان کی جمعیت میں کمی نظر آرہی تھی۔

اس وقت اہل اللہ کی نظر فراست اور بصیرت قلبی اس خدشے کو محسوس کر رہی تھی کہ اگر معاملہ یوں نہ رہا تو مذہب اسلام چند دنوں کا مہمان بن جائے گا۔ انفرادی طور پر اس بارے میں پُر خلوص محنتیں بھی کی گئیں لیکن جو فوائد اجتماعیت سے حاصل ہوتے، ظاہر ہے وہ نہیں مل سکتے تھے۔ انفرادی کوشش کا جذبہ اٹھتا پھر حالات کے ستم اسے ٹھنڈا کر دیتے۔

کہتے ہیں بعض انسانوں سے اللہ تاریخی اور عالمی کام لیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکمیل دین کا، صحابہ و اہل بیت سے تنفیذ دین کا، فقہاء بالخصوص امام اعظم سے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ سے تدوین دین اور اس پچھلی صدی میں اللہ کریم نے علماء دیوبند سے تطہیر دین کا خوب خوب کام لیا۔

انہی میں سے ایک شخص جس کی زبان میں فصاحت و بلاغت کی قوت بھی نہ تھی، جس کی گفتگو میں الفاظ سحر انگیزی، جوش خطابت بھی نہ تھا، معقولی اور فلسفیانہ ذہن بھی نہ رکھتا تھا، حالات کے مارے لوگوں کو لڑنے مارنے کے گر بھی نہیں سکھلا سکتا تھا لیکن اس کے سینے میں ایسا دل تھا جو ان باتوں پر کڑھتا تھا، وہ لوگوں کی بے راہ

روی پر خون کے آنسو روتا تھا۔ اس کے اسی قلبی اضطراب میں رحمتِ حق جلوہ گر ہوئی، اس کے دل پر القاء ہوا، امت مرحومہ کے ایمان و عمل کو بچانے کے لیے ایک اس طرز کی جماعت تشکیل دو جن کی نیتیں حبِ جاہ اور خواہشات نفسانی سے پاک ہوں گویا خافقاہی ماحول کالب لباب ان میں ہو۔ دین کو اپنی اور سارے عالم کی ضرورت سمجھ کر سیکھیں اور سکھائیں گویا در سگاہ کا ماحول بھی ان کو میسر ہو۔ ایک دوسرے کے ایمان و عمل کی تجدید کرتے رہیں۔

جو خدا ”کو“ نہیں مانتا اس تک ربِّ واحد کی واحدانیت پہنچائیں، جو خدا ”کی“ نہیں مانتا اس بھولے ہوئے شخص کو عہدِ الست یاد کرائیں۔ جو رسول اللہ ”کو“ نہیں مانتا اس کو ختمِ نبوت و رسالت کا عقیدہ دیں اور جو رسول اللہ ”کی“ نہیں مانتا اسے ”طرزِ زندگی محمد رسول اللہ“ سے روشناس کرائیں۔

گلی گلی، بام بام؛ دین کو عام کریں، عبادات، معاملات، معاشرت، رہن سہن، اخلاقیات یوں کہیے کہ کامیاب زندگی گزارنے کا لائحہ عمل پوری انسانیت تک پہنچائیں پھر اس راستے میں آزمائش، تکالیف، مصائب و آلام، منفی پروپیگنڈے، دل برداشتہ رویے آئیں تو ان پر جذباتی پن کا مظاہرہ کرنے کی بجائے ”تواصوا بالصبر“ کی عملی تصویر بن جائیں۔

الحمد للہ! وہی کچھ ہوا جو خدا کے اس ولی کے دل پر القاء ہوا تھا۔ شروع میں چند غریب، آزاد منش، مسکین طبعیت لوگ اٹھے ان کے اخلاص کی برکت سے اللہ نے سارے عالم کو اسلام کے وجود سے روشناس کرایا۔ لوگ کفر، ارتداد کو چھوڑ کر اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہوئے۔ الحاد، زندقہ بدعات و رسومات کو چھوڑ کر ”سنت رسول“ سے اپنی کامیابیاں حاصل کرنے لگے۔ گویا اس جماعت کا یہ خاموش

انقلاب تھا کہ انسانیت کفر سے پلٹ کر اسلام لے آئی، اہل اسلام نے نام نہاد مسلمان سے سچے اور سچے مسلمان کا روپ دھار لیا۔

اس محنت کے ثمرات جب ظاہر ہونا شروع ہوئے تو بعض اہل اللہ کی زبان پر کلمہ تشکر کے ساتھ بے ساختہ یہ بھی نکلا: ”الیاس نے یاس کو آس سے بدل دیا۔“ یہ وہی مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ ہیں جن کے قلب اطہر پر اس کام کا لقاء ہوا تھا۔

بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ لوگ کسی چیز کو اپنی ضرورت سمجھیں۔ پھر اس کے بعد اس کے حصول کا طریقہ سمجھیں اور جب خود سمجھیں تو اب دوسروں کو بھی سکھائیں۔ تبلیغی جماعت کی پہلی کوشش دین کی محبت پیدا کرنا ہے اس کے بعد ان کو اس پر چلنے کا طریقہ بتانا ہے اور پھر لوگوں کو اس پر چلنے کی فکر بھی دینی ہے۔

اسی عزم کی تجدید کے لیے لاکھوں مسلمان آسانکٹوں کو خیر باد کہہ کر ایک فکر، ایک درد..... امت مسلمہ کا درد..... لینے کے لیے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! ان کی فکر، ہمدردی، اخلاص اور محنت کو دیکھ کر ساری دنیا کے انسانوں کے ہدایت کے فیصلے فرمادے۔ ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد!

☀ ملک پاکستان کی معروف علمی و روحانی شخصیت مولانا مہر محمد آف میانوالی پچھلے دنوں انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا بالخصوص آپ میدانِ تحریر کے شاہسوار تھے آپ کی گوہر بار قلم سے کئی باطل شکن کتابیں معرض وجود میں آئیں۔ دفاع صحابہ، اتحاد امت جیسے اہم عنوانات پر آپ کا قلم سلاست کے ساتھ چلتا تھا۔ ساری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کے فریضے پر عمل پیرا رہے۔ اللہ کریم آپ کو کروٹ کروٹ جنت کی نعمتوں سے مستفید فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم (2)

اسی میں ایک طریقہ کار یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے آپ کسی ملک میں پہنچے اور آپ کو پیسوں کی ضرورت پیش آگئی تو کریڈٹ کارڈ دکانوں پر تو چلتا ہے لیکن کریڈٹ کارڈ کے ذریعے بس کا ٹکٹ نہیں خرید سکتے وہاں پیسے دے کر ٹکٹ خریدنا پڑے گا کسی قسم کی کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے جہاں کریڈٹ کارڈ قبول نہیں کیا جاتا۔ پیسے ہی دینے پڑتے ہیں۔ آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ایسی صورت میں انہوں نے یہ کر رکھا ہے ہر ملک میں انہوں نے جگہ جگہ مشینیں لگائی ہوئی ہیں۔ فرض کریں آپ ہالینڈ میں ہیں اور آپ کو پیسوں کی ضرورت پیش آگئی آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں تو آپ مشین کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ مجھے اتنے گلڈرز (ہالینڈ کے سکے کو گلڈر کہتے ہیں) اور اس میں اپنا کارڈ داخل کریں مشین آپ کو 100 گلڈرز نکال کر دے گی۔ وہ 100 گلڈرز لے کر اپنا کام چلائیں۔ اب جب امریکن ایکسپریس کا بل آپ کے پاس آئے گا تو اس میں جس طرح اور چیزوں کی خریداری کا بل ہو گا اسی طرح 100 گلڈرز کا بل بھی آپ کے پاس آجائے گا۔ لیکن اس مشین کو وہاں پر لگانے اور اس میں روپے منتقل کرنے اور دینے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے جو خدمات انجام دی گئی ہیں آپ سے اس کی تھوڑی سی فیس وصول کر لیں گے۔ اگر اس نے 100 گلڈرز دیے ہیں آپ کے پاس 101 گلڈرز کا بل آئے گا۔ یہ ایک گلڈر ان کی خدمات کی فیس ہے۔ یہ مختلف آمدنی کے ذریعے ہیں اور انہیں سے یہ کریڈٹ کارڈ جاری ہیں۔ اس وقت دنیا میں ساری خریداری کریڈٹ کارڈ پر ہو رہی ہے۔ ریل اور جہاز کے ٹکٹ

اس سے خریدیں۔ ہوٹل میں جا کر ٹھہریں تو ہوٹل کابل اس سے ادا کریں یہ جتنے بڑے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل ہیں جب آپ اس میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے آپ کا پرنٹ لے لیا جاتا ہے۔ زندگی اتنی تیز رفتار ہو گئی ہے کہ فرض کریں آپ ہوٹل میں 10 دن رہ کر گئے ان دس دن کا کرایہ، کھانا، کپڑے دھلوائے یہ کیا وہ کیا سب چیزوں کابل خود بخود آٹومیٹک بننا رہتا ہے جب آپ جائیں گاؤنٹر پر بھی حساب دینے کی ضرورت نہیں ہے صرف جاتے وقت ایک ڈبہ رکھا ہوتا ہے اس میں ایک پرچہ ڈال جائیں جس سے پتہ چل جائے گا آپ یہاں سے نکل گئے ہیں۔ بس اور کچھ نہیں کرنا اس لیے کہ ان کے پاس پہلے سے پرنٹ موجود ہے اس کے حساب سے بل بنائے گا اب اس میں جعل سازی بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص جعل سازی کر جائے تو ایک مشین ہر جگہ موجود ہوتی ہے۔ جب کوئی شخص کریڈٹ کارڈ پیش کرتا ہے اس کارڈ کو مشین میں ڈال کر کھینچتا ہے تو مشین فوراً بتا دیتی ہے جس میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا۔ ساری دنیا میں یہ کاروبار چل رہا ہے یہاں بیٹھے بیٹھے آپ انٹرنیٹ کے ذریعے امریکہ سے جو چاہیں سامان خرید لیں یہاں سے معلوم کریں کہ امریکہ کی فلاں دکان، فلاں کتب خانہ ہے اس میں کون کون سی کتب ہیں اس کی پوری لسٹ نظر آ جائے گی اور ہر کتاب کی قیمت بھی نظر آ جائے گی۔ کمپیوٹر کے اندر آپ ڈال دیں کہ مجھے فلاں کتاب کی ضرورت ہے وہ بھیج دیں میرا کریڈٹ کارڈ نمبر یہ ہے اسی لمحے آرڈر پہنچ گیا اور نمبر بھی چیک ہو گیا کہ یہ نمبر اصلی ہے۔ چنانچہ فوراً وہ کتاب بذریعہ ہوائی جہاز روانہ کر دی جائے گی۔ اس طرح کثرت سے دنیا میں کاروبار چل رہا ہے کہ کوئی حد و حساب نہیں۔ ہمارے پاکستان میں ابھی کم ہے رفتہ رفتہ بڑھ رہا ہے آپ نے جگہ جگہ یہ بورڈ لگا ہوا دیکھا ہو گا کہ ویزا، ماسٹر کارڈ اور امریکن ایکسپریس یہ کئی کمپنیاں ہیں جو یہ کام کرتی ہیں..... جاری ہے

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

موزوں پر مسح کرنے

اور جرابوں پر نہ کرنے کے دلائل

موسم سرما کی آمد آمد ہے اس موقع پر بعض لوگ اپنی سستی اور کاہلی کے باعث باریک موزوں کی طرح ادنیٰ اور سوتی جرابوں پر بھی مسح کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا وضو ہو گیا حالانکہ اس طرح وضو بالکل نہیں ہوتا۔ ہاں موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں صحیح روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اس حوالے سے ایک تحقیقی مضمون حاضر خدمت ہے۔

دلیل نمبر 1..... صحیح البخاری کا حوالہ:

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ. (صحیح البخاری ج 1 ص 33 باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے تو میں بھی پانی سے بھرا ہوا برتن لے کر آپ کے پیچھے چلا گیا جب آپ اپنی حاجت سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ کو پانی پیش کیا آپ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔“

دلیل نمبر 2..... صحیح مسلم کا حوالہ:

عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: بَالَ جَرِيرٌ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ فَقِيلَ: أَتَفْعَلُ

هَذَا قَالَ: نَعَمْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ. (صحیح مسلم ج 1 ص 132 باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: حضرت ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا اس کے بعد وضو کیا پھر موزوں پر مسح کیا تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ آپ (موزوں پر) مسح کرتے ہیں؟ تو حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے (جواب دیتے ہوئے) فرمایا: ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔“

دلیل نمبر 3..... صحیح مسلم کا حوالہ:

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَقَالَ: يَا مُغِيرَةُ خُذِ الْإِدَاوَةَ فَأَخَذْتُهَا ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهُ، فَاذْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَارَى عَيْنِي، فَقَطَعَنِي حَاجَتُهُ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ شَامِيَّةٌ ضَبَقَةُ الْكُمَيْنِ، فَذَهَبَ لِيُخْرِجَ يَدَهُ مِنْ كُبَّهَا فَضَاقَتْ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ أَسْفَلِهَا، فَصَبَبْتُ عَلَيْهَا فَتَوَضَّأَ وَضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ مَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى. (صحیح مسلم ج 1 ص 133 باب المسح علی الخفین)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مغیرہ پانی والا برتن لے لے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ لے لیا اس کے بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے میری آنکھوں سے او جھل ہو گئے قضائے حاجت کر کے واپس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام میں تیار ہونے والا جبہ زیب تن فرمایا ہوا تھا اس کی آستینیں

قدرے تنگ تھیں آپ نے اپنے ہاتھ کو آستین سے نکالنا شروع کیا تو چونکہ وہ تنگ تھیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو آستین کے اندر والے حصے سے نکالا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے نماز والا وضو کیا پھر اپنے موزوں پر مسح کیا اس کے بعد نماز ادا فرمائی۔

دلیل نمبر 4..... سنن النسائی کا حوالہ:

عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَلَّالُ الْأَسْوَاقِ فَذَهَبَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ خَرَجَ قَالَ أُسَامَةُ فَسَأَلْتُ بَلَّالًا مَا صَنَعَ فَقَالَ بَلَّالٌ ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَعَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخَفَّيْنِ ثُمَّ صَلَّى.

(سنن النسائی ج 1 ص 31 باب مسح على الخفين)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسواف یعنی حرم مدینہ میں داخل ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور واپس آئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا کام کیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اس کے بعد وضو کیا اس میں اپنے چہرے اور ہاتھ کو دھویا اور اپنے سر پر مسح کیا اور موزوں پر بھی مسح کیا بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔

دلیل نمبر 5..... سنن النسائی کا حوالہ:

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ

(سنن النسائي ج 1 ص 31)

مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔

دلیل نمبر 6..... صحیح مسلم کا حوالہ:

عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانٍ، قَالَ: أَكْتُبْتُ عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَقَالَتْ: عَلَيْكَ يَا ابْنِ أَبِي طَالِبٍ فَسَلْهُ، فَإِنَّهُ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ: جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَلَيْلَةً وَيَوْمًا لِلْمُقِيمِ.

(صحیح مسلم ج 1 ص 135 باب التوقيت في المسح على الخفين)

ترجمہ: حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تاکہ جا کر ان سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھوں انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کرو کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کیا کرتے تھے تو حضرت شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مسح کی مدت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں جبکہ مقیم کے لیے ایک دن اور رات مقرر فرمائی۔

نوٹ: محترم قارئین! یہاں یہ بات بڑی دلچسپی کا باعث ہے کہ خود فرقہ اہل حدیث کے معتبر علماء کے نزدیک اونی، سوتی باریک جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ چند فتاویٰ جات ملاحظہ فرمائیں:

فتاویٰ نذیریہ کا حوالہ:

غیر مقلد عالم نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں: الْمَسْحُ عَلَى الْجُوزِ كَبْرَةِ الْمَذْكُورَةِ

لَيْسَ بِجَائِزٍ لِأَنَّهُ لَمْ يَقُمْ عَلَى جَوَازِهِ دَلِيلٌ وَكُلُّ مَا تَمَسَّكَ بِهِ الْمُجَوِّزُونَ فَفِيهِ خَدَشَةٌ ظَاهِرَةٌ۔
(فتاویٰ نذیریہ ج 1 ص 327)

ترجمہ: مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے کیونکہ اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور ان پر مسح کو جائز قرار دینے والوں نے جن سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات کا ہونا ظاہر ہے۔

نوٹ: مذکورہ عبارت انہی الفاظ کے ساتھ غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اپنے فتاویٰ ثنائیہ ج 1 ص 443 پر بھی موجود ہے۔

تحفة الاحوذی کا حوالہ:

غیر مقلد عالم مولوی عبد الرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں: وَالتَّحَاصُلُ أَنَّهُ لَيْسَ فِي بَابِ الْمَسْحِ عَلَى الْجَوْرِ بَيْنَ حَدِيثِ مَرْفُوعٍ صَحِيحٍ خَالٍ عَنِ الْكَلَامِ۔

(تحفة الاحوذی ج 1 ص 349)

ترجمہ: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی نہیں جو کلام سے خالی ہو یعنی جس پر محدثین رحمہم اللہ نے ضعف کا حکم نہ لگایا ہو۔

فتاویٰ ثنائیہ کا حوالہ:

غیر مقلد عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری نے جرابوں پر مسح کے جواز میں ایک فتویٰ دیا تھا اس کی تردید کرتے ہوئے ایک غیر مقلد عالم مولوی ابوسعید شرف الدین دہلوی لکھتے ہیں کہ جرابوں پر مسح کرنے کا مسئلہ معرکتہ الآراء ہے مولانا نے جو کچھ لکھا ہے یہ بعض ائمہ امام شافعی وغیرہ کا مسلک ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر یہ مسلک صحیح نہیں اس لیے کہ دلیل صحیح نہیں ہے..... پھر یہ جرابوں

پر مسح والا مسئلہ نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع نہ قیاس سے لہذا خف چرمی جس پر مسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کے سوا جو رب پر مسح ثابت نہیں ہوا۔
(فتاویٰ ثنائیہ ج 1 ص 441)

مجموعہ فتاویٰ کا حوالہ:

جوابوں پر مسح کرنا حدیث صحیح سے ثابت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کے مسح کرنے سے جو بین پر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مطلق جو بین پر مسح جائز ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ جو بین چمڑے کی تھیں یا اور چیز کی ہاں اگر کوئی قولی حدیث ایسی ہے جس میں حکم ہو کہ اَمْسَحْ عَلَى الْجَوْرِ بَيْنِ پھر تو مطلق جوابوں پر مسح اس سے ثابت ہو جائے گا وَ اَذْ لَيْسَ فَلَيْسَ ہاں اگر جو بین اون اور سوت کی ایسی سخت ہوں کہ سختی میں چمڑے کی بربری کریں پس وہ چمڑے کا حکم رکھتی ہیں اور ان پر مسح جائز ہے۔
(مجموعہ فتاویٰ مولوی عبد الجبار ص 102)

فتاویٰ برکاتیہ کا حوالہ:

غیر مقلد عالم ابوالبرکات احمد لکھتے ہیں: موزوں پر مسح کرنے والی بہت زیادہ احادیث ہیں لیکن جوابوں پر مسح کرنے کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے
(فتاویٰ برکاتیہ ص 18)

دستور المتقی کا حوالہ:

غیر مقلد عالم محمد یونس لکھتے ہیں: جوابوں پر مسح کرنا درست ہے جب کہ وہ خف بنی ہوئی ہوں معمولی اور پتلی جوابوں پر مسح کرنا؛ ناجائز ہے۔ مسح جراب کی اکثر حدیثیں ضعیف ہیں امام ابوداؤد نے اپنی کتاب میں ضعیف کہا ہے۔
(دستور المتقی فی احکام النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص 78 اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور)

بانی دارالعلوم دیوبند کی حدیثی خدمات

کھ..... مولانا محمد اسجد قاسمی

حجۃ الاسلام والمسلمین، آیت من آیات رب العالمین حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت گرامی تحریکی، جہادی اور انتظامی صلاحیتوں کے ساتھ ہی اعلیٰ درجے کی استعداد اور علمی و فنی رسوخ اور فضل و کمال کی جامع شخصیت تھی، ان کی خرق عادت ذہانت و فطانت اور کسی سے زیادہ وہی اور لدنی علوم کی کرشمہ سازیاں ان کی خدمات میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ ہجری تقویم کے اعتبار سے 49 سال اور عیسوی تقسیم کے لحاظ سے 48 سال کی مختصر زندگی میں حضرت الامام نے جولافانی علمی کارنامے انجام دیے اس مختصر مقالے میں اس کا احاطہ تو کجا، اس کی پوری جھلک پیش کرنا بھی مشکل ہے۔ سید الطائفہ، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی یہ شہادت سب سے بڑی اور وقیع سند ہے کہ مولوی محمد قاسم جیسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے، اب تو مدتوں سے نہیں ہوتے، مولوی صاحب کی تحریر و تقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو۔“ (قاسم العلوم احوال و آثار)

تحصیل علوم حدیث:

حضرت الامام نے علم حدیث پر بطور خاص توجہ دی اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی کے حلقہ درس میں شریک ہو کر ان سے صحیح بخاری کا کچھ حصہ، صحیح مسلم، جامع ترمذی، موطا امام مالک، تفسیر جلالین وغیرہ کتابیں پڑھیں، ان کتابوں کی صراحت حضرت شاہ عبدالغنیؒ کی سند میں موجود ہے۔ (سوانح قاسمی از مولانا گیلانی)

بعض اہل علم نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ حضرت الامام نے حضرت شاہ

عبدالغنی دہلویؒ سے ابن ماجہ اور سنن نسائی کا درس بھی لیا۔

(مولانا محمد قاسم نانوتوی حیات و کارنامے از اسیر ادروی)

البتہ بعض کتابوں کا ذکر اس سند میں نہیں ہے جو حضرت شاہ عبدالغنیؒ نے حضرت الامام کو مرحمت فرمائیں اور جس کا عکس مولانا گیلانیؒ کی سوانح قاسمی میں ہے۔
(سوانح قاسمی)

تاہم یہ طے ہے کہ سنن ابی داؤد کا درس کسی سبب سے حضرت الامام حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے نہ لے سکے۔
(مذہب منصور۔ بحوالہ حیات و کارنامے)

بعد میں تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ محدث کے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کے مشغلے کے دوران حضرت الامام نے سنن ابی داؤد کا درس لیا۔
(حیات و کارنامے)

حضرت الامام نے تحصیل حدیث میں انہی دو جلیل القدر محدثین کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا اور کسب فیض فرمایا اور انہیں کارنگ نمایاں طور پر حضرت الامام کی حدیثی خدمات و آثار میں جلوہ گر رہا۔

حضرت الامام اور خدمت حدیث:

حضرت الامام کی علمی اور بالخصوص حدیثی خدمات کے تجزیے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ان اہل علم کی صف اول میں ہیں جن کے ہاں وسعت سے کہیں زیادہ عمق اور گہرائی و گیرائی ہے، کمیت سے کہیں زیادہ کیفیت ہے، ان کی باضابطہ تصانیف تعداد میں کم ہیں مگر ان کے وہبی علوم و معارف کا جو عمق اور فیضان ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں ہے۔ حضرت الامام کی خدمت حدیث کے متنوع پہلو اور گوشے ہیں، ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تدریس حدیث اور افراد سازی:

حضرت الامام نے دسمبر 1816ء میں سفر حج سے واپسی پر نانوتہ میں کچھ عرصہ مستقل قیام کیا اور اس دوران متعدد علماء کی پر خلوص درخواست پر نانوتہ میں صحیح بخاری کا درس دینا شروع کیا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اسی موقع پر حضرت الامام سے صحیح بخاری پڑھی۔ پھر اس کے بعد اپنے ایک مخلص ممتاز علی کی درخواست پر ان کے مطبع میں میرٹھ میں تصحیح کتب کا مشغلہ اختیار کیا، میرٹھ کے اس قیام میں خالی اوقات میں حضرت الامام نے سلسلہ درس جاری فرمایا، علماء کا طبقہ صحاح ستہ کے درس میں شریک ہوتا تھا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اس دور میں حضرت الامام سے صحیح مسلم کا درس لیا۔ اور اسی دور میں ایک درس میں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے بھی شرکت کی تھی۔ نانوتہ کے درس بخاری میں مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ بھی شریک رہے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک بار میں بلا وضو درس میں شریک ہو گیا، حضرت نے ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا پھر بلا کر تنبیہ کی ”میاں! صحیح بخاری میں تو ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ آدمی بلا وضو بھی بیٹھ جائے۔“

حضرت الامام کے ممتاز ترین شاگرد رشید اور علوم قاسمیہ کے سچے حامل و امین حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تھے جنہوں نے حدیث کی مختلف کتب حضرت الامام سے میرٹھ میں پڑھی تھیں اور حدیث کی جو خدمت بعد میں حضرت شیخ الہندؒ نے کی وہ بے نظیر ثابت ہوئی، حضرت الامام نے دیوبند میں درس حدیث کا جو سلسلہ قائم فرمایا اس دور کے شاگردوں میں مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کا نام نامی سب سے روشن ہے انہوں نے حدیث کی عظیم خدمت کی۔ قیام میرٹھ کے دور کے تلامذہ میں حضرت مولانا احمد حسن محدث امر وہی بھی شامل تھے، جن کا شمار جلیل القدر محدثین میں ہوتا ہے۔ دیگر

نمایاں تلامذہ میں مولانا عبدالعلی میرٹھی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند، مولانا منصور علی خاں سابق استاذ مدرسہ شاہی، مولانا حافظ عبدالعدل مرحوم ہیں۔ آخری دور میں حضرت الامام نے متعدد امراض و عوارض کے باوجود دیوبند میں دورہ حدیث کی جماعت کو ترمذی شروع کرائی، اس جماعت کے نمایاں طلبہ میں مولانا عبدالرحمن محدث امر وہی تھے۔ حضرت الامام رحمہ اللہ کے فیض یافتگان کی طویل فہرست میں مذکورہ بالا نام ان شخصیات کے ہیں جنہوں نے حضرت الامام رحمہ اللہ سے بطور خاص حدیث کا علم حاصل کیا اور پھر انہوں نے اپنی خدمت حدیث اور فیض رسانی سے بے شمار تشنگان علم کو سیراب کیا۔

درس حدیث کا اسلوب:

اس تعلق سے حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمہ اللہ کی شہادت نقل کی جاتی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں: ”طالب علمی کے زمانے میں مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے درس حدیث میں شریک ہونے کی سعادت مجھے بمقام میرٹھ میسر آئی تھی، غالباً یہ وہی زمانہ تھا جب صحیح مسلم کا درس جاری تھا، حدیث پڑھی گئی، حنفیوں اور شافعیوں کے کسی اختلافی مسئلہ سے حدیث کا تعلق تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا نے ایک ایسی جامع اور مدلل تقریر کی جس سے کلیۃً شافعی نقطہ نظر کی تائید ہوتی تھی، طلبہ حیران ہوئے، کہنے لگے کہ آپ کی تقریر سے تو معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ ہی کا مسلک صحیح ہے اور حنفیوں کا مذہب حدیث کے مطابق نہیں ہے۔ تب میں نے دیکھا کہ مولانا نانوتویؒ کا رنگ بدلا اور فرمانے لگے کہ شوافع کی طرف سے اس مسئلہ کی تائید میں زیادہ سے زیادہ کہنے والے اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو یہی کہہ سکتے ہیں جو تم سن چکے ہو، اب سنو! امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی بنیاد یہ ہے، اس کے بعد مولانا نانوتویؒ نے پھر اس طرح تقریر کی

کہ لوگ مبہوت سنتے رہے، ابھی جس مسلک کے متعلق ان کا یقین تھا کہ اس سے زیادہ حدیثوں کے مطابق کوئی دوسرا مسلک نہیں ہو سکتا، اچانک معلوم ہوا کہ درحقیقت صحیح حدیثوں کا مفاد وہی ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے منقح فرمایا ہے۔

تحقیقی، تجزیاتی اور استدلالی درس حدیث:

حضرت الامام کا درس حدیث طائرانہ نہیں بلکہ محققانہ ہوا کرتا تھا، اس میں تحقیقی نکات، تجزیاتی معلومات اور استدلالی لطائف کا وافر ذخیرہ ہوتا تھا، شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ کی پوری جھلک ہوتی تھی، علوم ولی اللہی کا ظہور ہوتا تھا، حضرت الامام کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہندؒ کا بیان ہے کہ ”میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات دیکھ کر حضرت نانوتویؒ کے درس میں شریک ہوتا تھا اور وہ باتیں پوچھتا تھا جو شاہ صاحب کی تصنیفات میں غایت مشکل ہیں۔ شاہ صاحب کے یہاں جو آخری جواب ہوتا تھا وہ حضرت نانوتویؒ اول ہی مرتبہ فرمادیتے تھے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔“

مسلک احناف کی ترجیح و اثبات:

مسلک احناف کی ترجیح و اثبات اور اس کے وجوہ ترجیح کے مدلل تذکرہ کا جو نہج اور درس حدیث میں توضیح و تنقیح کا جو اسلوب دارالعلوم دیوبند کا نشان امتیاز اور برصغیر کے 95 فیصد مدارس میں مقبول و متداول ہے اس کے فروغ میں حضرت الامام کا کردار سب سے نمایاں اور اولین ہے، اس سے پہلے درس حدیث میں صرف ترجمہ حدیث اور مذاہب اربعہ پر انحصار ہوتا تھا، یہ سلسلہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط تک رہا، پھر جب جماعت اہل حدیث کے غلو پرستوں نے مذہب احناف کو ہدف طعن و ملامت بنایا اور اسے مخالف حدیث ثابت کرنے کی مہم چھیڑ دی تو شاہ محمد اسحاقؒ اور ان کے تلامذہ نے درس حدیث میں مذہب حنفی کے اثبات بالحدیث اور ترجیح پر توجہ دی اور

پھر اس سلسلہ کو فروغ دینے کا دائرہ وسیع کرنے میں حضرت الامام نے نمایاں کردار ادا کیا۔ حضرت نانوتویؒ کے درس کے تذکرہ میں ممتاز شاگرد مولانا حکیم منصور علی خانؒ نے لکھا ہے:

”حقیقت یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ جب کسی اہم اور مشکل مسئلہ کو جمہور کے تصورات کے خلاف ثابت فرماتے تو بڑے بڑے ارباب علم و فضل حیران اور انگشت بدنداں رہ جاتے تھے، جو حکم ظاہر میں قطعاً بے دلیل و برہان معلوم ہوتا وہ تقریر کے بعد عقل کے عین مطابق معلوم ہونے لگتا تھا، آپ کے پیش کردہ دلائل کے خلاف بڑے بڑے ارباب علم و فضل کو جرات نہ ہوتی تھی۔“

حضرت الامام کے درس میں مذاہب اربعہ کی توضیح، ہر مذہب کے دلائل کا مفصل ذکر، مذہب حنفی کی ترجیح، رجال حدیث اور حدیث کے مقام کا ذکر، الفاظ کے فرق اور اس کے نتیجے میں احکام کے استنباط پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ، متکلمانہ اسلوب میں بحث اور فکری اعتدال جیسی خصوصیات ہوتی تھیں۔

درس حدیث کے امتیازات:

حضرت الامام کے درس حدیث کے امتیازات میں نمایاں طور پر یہ چیزیں شامل ہیں۔

- (1) سند حدیث اور متن حدیث سے متعلق تمام معلومات کا احاطہ
- (2) رجال سند پر متوازن اور موقع تبصرہ
- (3) حدیث کے فنی مقام کی نشان دہی
- (4) متعلقہ مسئلہ میں مذاہب اربعہ کا بیان
- (5) ہر مذہب کے مفصل دلائل کی ایسی توضیح جو بالکل غیر جانبدارانہ ہو

(6) مذہب حنفی کے اثبات اور عقل و نقل سے اسے مزین کر کے اس کی وجوہ ترجیح کا بیان

(7) احکامی پہلو کے ساتھ حدیث کے اخلاقی و تربیتی پہلو کی سیر حاصل وضاحت

(8) تحقیقی، تجزیاتی، استدلالی، متکلمانہ اور اصولی انداز بحث

(9) تشریح احادیث کے ضمن میں نکتہ رسی

(10) متعارض احادیث میں تطبیق اور متکلمانہ اسلوب میں اس طرح انطباق دینا کہ کوئی اشکال باقی نہ رہے

(11) سلف صالح اور تمام ائمہ کا احترام، کتاب و سنت سے فقہ اسلامی کا رابطہ واضح کرنا

(12) مختلف فیہ مسائل میں اعتدال و توازن کی روش اور ڈگر پر پوری طرح قائم رہنا

ان امتیازات سے حضرت الامام کے محدثانہ ذوق اور رسوخ فی العلوم کی کیفیت کا علم ہو سکتا ہے، حضرت الامام کے ذوق محدثانہ کی جھلکیاں ان کی گراں قدر تصانیف میں جا بجا موجود ہیں۔

سب سے ممتاز حدیثی کارنامہ! تحشیہ بخاری:

خدمت حدیث کے ضمن میں حضرت الامام کا سب سے نمایاں، وسیع قابل قدر اور علمی کارنامہ حاشیہ بخاری کی تکمیل ہے اور باعث تعجب یہ ہے کہ اتنا عظیم اور لائق صد آفریں کارنامہ حضرت نے 18 سال کی عمر میں انجام دیا۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے تحشیہ بخاری کا بے مثال کارنامہ انجام دیا، مگر مصروفیات کے پیش نظر بخاری کے آخری اجزاء کے تحشیہ کا کام حضرت الامام کے سپرد کیا جو ان کے

شاگرد رشید تھے اور جن کے جواہر کا ادراک حضرت سہارنپوری کو پہلے سے تھا۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ لکھتے ہیں:

”جناب مولوی احمد علی سہارنپوریؒ نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے پانچ چھ سپارے جو آخر کے باقی تھے مولوی صاحب کے سپرد کیا۔ مولانا صاحب نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے، جناب مولوی احمد علی صاحب سے بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کیا؟ اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے ایسا کروں اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان لوگوں کو دکھلا دیا جب لوگوں نے جانا۔“ تحشیہ بخاری جیسا عظیم علمی کام حضرت الامام کے سپرد کئے جانے پر بعض علماء نے محدث سہارنپوری پر اعتراض کیا تھا جس کے جواب میں محدث سہارنپوریؒ نے فرمایا ”تم لوگ بخاری کے جتنے مشکل مقامات ہوں ان پر نشانات لگالو پھر ان سے (حضرت الامام سے) دریافت کرلو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر ان مقامات کا حاشیہ منگوا کر دکھایا تو مولانا نانوتویؒ نے جو جو احتمالات پیدا کر کے ان کے جوابات دیے تھے وہ احتمالات اور شبہات ان حضرات کے احتمالات سے بھی زیادہ تھے یہ دیکھ کر وہ لوگ مولانا کے تبحر علمی کو مان گئے۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کی تحریر کی پیش نظر یہ مشہور ہے کہ حضرت الامام نے آخر کے پانچ اجزاء کے حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ ایک رائے ساڑھے چار اجزاء کے حواشی کی بھی ہے مگر تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت الامام نے بخاری

کے آخری تین اجزاء کے لکھے ہیں۔ کیونکہ ان حواشی کا رنگ اور انداز و نہج اور اسلوب باقی اجزاء کے حواشی سے بہت مختلف نظر آتا ہے، ایک فرق تو تفصیل و اختصار کا ہے، آخری اجزاء کے حواشی میں تفصیلی مباحث ہیں، شروع بخاری کے تفصیلی اقتباسات ہیں۔ اسلوب کا یہ فرق ثابت کرتا ہے کہ آخری تین اجزاء کا تحشیہ حضرت الامام کا کارنامہ ہے۔ حضرت الامام کے تحشیہ کو شرح بخاری قرار دینا زیادہ مناسب ہے اور

☆ فہم کتاب کی تسہیل

☆ رفع اشکالات

☆ مشکلات و مبہات

☆ تفصیل اجمالات

☆ اغلاط و خطاء کی تنبیہ

☆ رواۃ و رجال کی تحقیق و تنقید

☆ تعارض کی صورت میں تطبیق و ترجیح

☆ مسلک راجح کی ترجیح اور تذکرہ وجوہ ترجیح اور اس جیسی تمام خصوصیات حضرت کے حواشی میں موجود ہیں۔

صحیح بخاری کا یہ آخری حصہ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے اس میں امام بخاریؒ نے حضرت امام اعظمؒ کے فقہی افکار و آراء پر تبصرے شدت کے ساتھ کئے ہیں جن میں بسا اوقات جارحیت محسوس ہوتی ہے۔ اس حصہ پر حضرت الامام نے حاشیہ لکھا اور امام بخاریؒ کے اشکالات اور تنقیدی تبصروں کا اس طرح جواب دیا اور تجزیہ کیا کہ حق ادا ہو گیا۔

مولانا اسیر ادروی لکھتے ہیں ”امام بخاریؒ نے اخیر کے ان پاروں میں امام

ابو حنیفہؒ پر اہم اعتراضات کی نشان دہی کی ہے اور اس کی جانب اشارات کیے ہیں اور امام بخاریؒ کی ان روایات کا جو وزن ہے اس سے سارا عالم اسلام واقف ہے، اس لئے ان اعتراضات کے جوابات پورے ذخیرہ حدیث پر مبصرانہ نظر ڈالے بغیر ممکن نہ تھے اور روایتوں کی ایسی معقول اور مدلل توجیہ پیش کرنی ضروری تھی کہ مسلک احناف کا منشاء شریعت کے مطابق ہونا ثابت ہو جائے۔

حضرت نانوتویؒ نے یہی کیا، کوئی بات بغیر سند اور حوالہ کتب نہیں کہی ہے، نہ روایتوں کی بے جا تاویل کی ہے اور نہ ان سے انکار، بلکہ دوسری مستند روایتوں کی روشنی میں امام بخاریؒ کی اس روایت کا ایسا مفہوم پیش کیا ہے جو مسلک احناف کے مطابق ہے۔

خصوصیات و امتیازات:

- ☆ حضرت الامام کے حواشی بخاری میں اسناد اور متون دونوں پر نفیس بحث ملتی ہے اور حضرت کے عمیق علم پر شاہد ہیں، اس تحشیے کے نمایاں امتیازات یہ ہیں۔
- ☆ احادیث کے معانی اور مراد کی سیر حاصل اور عام فہم تشریح
- ☆ اسناد کی تحقیق اور رواۃ کے مقام کی تعیین
- ☆ اغلاط و اوہام پر تنبیہ
- ☆ متعارض روایات میں نفیس تطبیق
- ☆ مذہب حنفی کی ترجیح اور اس کا اثبات بالحدیث
- ☆ امام بخاری کی احناف پر لطیف چوٹوں کا حکیمانہ اور مدلل جواب
- ☆ مستند روایات سے مسلک حنفی کی تائید کا ذکر
- ☆ تاویلات فاسدہ و رکیکہ سے گریز

☆ حوالے کا اہتمام

☆ موضوع کا احاطہ

☆ کوئی بات بے سند محض اپنے فہم سے نہ لکھنے کا اہتمام

☆ اور فقہ کے حدیث سے ارتباط کی کوشش وغیرہ۔

یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں کہ حضرت الامام کے تحشیے کے نمونے پیش کئے جائیں۔ البتہ بہت سی اہم بحثیں ان حواشی میں موجود ہیں۔

پڑوسی کیلئے حق شفعہ کے ثبوت و عدم ثبوت پر حضرت نے احناف کی تائید اور امام بخاریؒ کے نقد کے رو پر بڑی عمدہ بحث کی ہے، اسی طرح صوم وصال کی ممانعت، قضاء قاضی کا نفاذ ظاہر اہو گا یا باطناً، غلام مدبر کی بیع اور ان جیسے دسیوں موضوعات پر حضرت الامام نے بے حد نفیس بحث کی ہے، بیعت کے باب میں بھی حضرت نے مفصل حاشیہ لکھا جو حضرت کی گہری اور وسیع تاریخی نظر کا شاہکار ہے، ہدایا الحکام و العمال کے تعلق سے بھی حضرت نے بہت تحقیقی گفتگو فرمائی ہے۔ لغوی بحثیں بھی جا بجا موجود ہیں، کلام اللہ اور قول اللہ کے موضوع پر بھی مسلک حق کی توضیح و تفصیل بھی حضرت نے خوب لکھی ہے۔ بخاری کی آخری حدیث پر بھی حضرت نے بہت گراں قدر حواشی تحریر کئے ہیں اور ان تمام حواشی اور بحث سے یہ حقیقت پوری طرح آشکارا ہو جاتی ہے کہ یہ تحشیہ حضرت کے ذوق محدثانہ اور خدمت حدیث کا سب سے اہم شاہکار اور آئینہ دار ہے۔

دیگر حدیثی خدمات:

حضرت الامام کی حدیثی خدمات میں ایک نمایاں خدمت یہ ہے کہ آپ نے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار و نظریات کی روشنی میں کتب حدیث کے

مراتب و طبقات اور اصول تنقید کی تحقیق فرمائی، حضرت امام دہلویؒ نے کتب احادیث کی خاص ترتیب قائم فرمائی ہے جو بر صغیر کے علمی حلقوں میں رائج، اس ترتیب و تقسیم کے تعلق سے حضرت الامام النانوتویؒ نے اپنی تصنیف ”ہدیۃ الشیعہ“ میں بے حد نفیس اور مدلل بحث اقام فرمائی ہے۔ علم حدیث کے ماہرین کی متفقہ رائے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے کتب حدیث کے اصول تنقید کو حضرت نانوتویؒ سے بہتر کسی نے نہیں سمجھا۔

ممتاز محدث حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ لکھتے ہیں: ”مولانا (نانوتویؒ) نے اپنی کتاب ہدیۃ الشیعہ میں کتب حدیث کے طبقات اور اصول تنقید کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے اس کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ حجة اللہ البالغہ کے اصول تنقید و قواعد تطبیق کو آپ سے بہتر کسی نے نہیں سمجھا۔“

حضرت الامام کے مکتوبات کی فراہم شدہ تعداد سو سے زیادہ ہے اور ان میں بہتر مکتوبات علمی ہیں، یہ مکتوبات تفسیری و فقہی مباحث کے ساتھ بیش قیمت حدیثی مباحث بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں اور متعدد حدیثی نکات و لطائف ان میں بکھرے ہوئے ہیں۔ حضرت الامام کا ایک مکتوب اور رسالہ مسئلہ تراویح سے متعلق ہے اور احادیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی تنقیح کی گئی ہے۔ یہ مکتوب ”المقام الصریح“ کے نام سے موسوم ہے، اس میں خبر واحد سے اعتقادی احکام کے عدم ثبوت اور واجبات و سنن کے ثبوت کی بحث ہے، تراویح و تہجد کے دو الگ الگ نماز ہونے پر کلام ہے اور احادیث کے مراتب پر گفتگو بھی ہے اسی میں مرسل روایات کی حجیت کی بحث ملتی ہے۔

اسی طرح ”توثیق الکلام فی الانصاف خلف الامام“ کے نام سے بھی

حضرت کا ایک رسالہ ہے جو قرأت خلف الامام کے مشہور مختلف فیہ مسئلے سے متعلق ہے، حضرت نے اس میں آیات اور احادیث کی روشنی میں بڑی متکلمانہ بحث کی ہے، آیات و روایات میں تطبیق کا کام بھی کیا ہے، اس مسئلہ میں حضرت کی اپنی ایک مستقل توجیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کا تعلق اصل میں اس اصل سے ہے کہ امام مقتدیوں کا نائب ہوتا ہے اور اسی کی نماز اصل ہوتی ہے، امام کی یہ حقیقت نماز میں بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچی ہے، ابتداء میں سلام و کلام بھی جائز تھا، اسے منسوخ کیا گیا، پھر مقتدی سورہ فاتحہ کے ساتھ ساتھ ضم سورت بھی کیا کرتے تھے تو ضم سورت کا حکم منسوخ ہوا، پھر مقتدی کیلئے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا تاکہ امام کی نیابت اور نماز میں اس کے ضامن ہونے کی کیفیت آہستہ آہستہ درجہ کمال کو پہنچ جائے۔

اسی طرح راوی محمد بن اسحاق کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کا اختلاف، بعض موقوف حدیثوں کا مرفوعات کے حکم میں ہونا اور ایسی دیگر علمی بحثیں اور نکتے اس میں موجود ہیں جو حضرت الامام کی قوت استخراج و استنتاج اور عمیق مطالعے کا مظہر ہیں، حضرت الامام کا رسالہ ”حدیث فی فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم“ اس کا ذکر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے ایک مکتوب میں ”ذکر“ سے متعلق مفصل گفتگو ہے، اس میں حدیث ”نحن معاشر الانبیاء لانورث ماتر کناہ صدقہ“ پر محققانہ کلام اور شیعوں کا رد ہے، اسی طرح ایک مکتوب حدیث نبوی ”کنت نہیتکم عن زیارة القبور، الا فزورھا“ سے مرتبط ہے جس میں زیارت قبور کے مسئلہ کو احکامی و اخلاقی ہر دو پہلو سے مکمل واضح کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ حضرت الامام کی جملہ تصانیف و مکاتیب و رسائل میں جا بجا

حدیثیں بکھری ہوئی ہیں۔ اسرار شریعت کا موضوع بھی حدیث سے متعلق ہے، حضرت نے اس موضوع پر بہت کچھ تحریر فرمایا ہے حضرت کا حدیث پر کوئی مستقل اور مربوط کام نہیں ہے مگر یہ ضمنی اور غیر مستقل کام اتنے واقع ہیں کہ ان سے حضرت کی محدثانہ شان بلند کا ظہور ہوتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر حضرت کی توجہ صرف حدیث پر ہوتی تو بے انتہا عظیم کام سامنے آتے۔

خلاصہ کلام:

حاصل یہ ہے کہ حضرت الامام النانوٹویؒ محدثین کی فہرست میں ممتاز مقام کے حامل ہیں اور احادیث کی جو خدمت زبان و قلم سے آپ نے انجام دی اس کی عظمت، افادیت اور تاثیر ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی خدمت حدیث کا جو فیض اس کے ابتدائے قیام سے جاری اور ان شاء اللہ تاجی قیامت جاری رہے گا اور اس کے فیض یافتگان خدمت حدیث کرتے رہیں گے یہ ساری خدمت حضرت الامام کے حسنات میں بھی شامل ہوگی اور ان کیلئے ذخیرہ آخرت ثابت ہوگی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرت الامام کی حدیثی خدمات کو مفصل اور مرتب انداز میں اجاگر اور نمایاں کیا جائے اور فکری اعتدال کے اسی امتیاز کو عام کیا جائے جو حضرت الامام کی خصوصیت تھی اور زمانے کی نزاکتوں اور تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حدیثی و علمی خدمات انجام دی جائیں، حضرت الامام کیلئے سچا خراج عقیدت یہی ہے کہ انہیں خطوط پر کام کیا جائے جن پر حضرت نے کام کیا۔

کیا فقہاء حدیث دان بھی ہوتے ہیں؟

حدیث بیان اور حدیث دان؛ دو علیحدہ علیحدہ منصب ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ جو حدیث بیان کرے وہ حدیث دان بھی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس میں فرق بتلاچکے ہیں: وَرَبِّ حَامِلٍ فَقَّهِ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ.

(رواہ الشافعی مشکوٰۃ ص 35)

ہاں فقہاء حدیث دان ضرور ہوتے ہیں، حدیث نہ جاننے والا کیسے فقیہ بن سکتا ہے؟ صاحب ہدایہ م 593ھ ہی کو لیں، حافظ جمال الدین زلیعی رحمہ اللہ م 762ھ جیسے جلیل القدر محدث ان کی روایات تلاش کرتے کرتے تھک جاتے ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ م 852ھ کئی جگہ سپر انداز ہوتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ حدیث مجھے نہیں مل سکی۔ معلوم نہیں صاحب ہدایہ نے کہاں سے لی ہے۔

علامہ علاؤ الدین صاحب در مختار م 1088ھ کس درجے کے اونچے فقیہ ہیں مگر دیکھئے وہ ساتھ ساتھ صحیح بخاری کے شارح بھی ہیں۔ علامہ عینی رحمہ اللہ م 855ھ جہاں ہدایہ کے شارح ہیں وہیں صحیح بخاری کے شارح کی حیثیت سے بھی معروف و مشہور ہیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ م 1252ھ صاحب در مختار کے بارے میں لکھتے ہیں: وَكَهْ تَعْلِيْقُهُ عَلَى صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ تَبْلُغُ مَوْثِقَ ثَلَاثِينَ كُرًّا سَاءَ عَلَى تَفْسِيرِ الْبَيْضَاوِيِّ.

(رد المحتار للشامی ج 1 ص 13)

ترجمہ: آپ کی صحیح بخاری پر تعلیقات ہیں جو تیس اجزاء میں ہیں اور تفسیر بیضاوی پر بھی آپ کے حواشی ہیں۔

حدیث اور فقہ میں محل خطر کہاں ہے؟:

1. فقہ کی عبارت حدیث کی نسبت زیادہ سلیس ہوتی ہے۔
 2. فقہ اپنے موضوع میں تدریجی مراحل سے نہیں گزری۔ حدیث اپنے موضوع میں تدریجی مراحل سے گزری ہے اور اس نے 23 سال میں مکمل تکمیل پائی ہے۔
 3. حدیث میں نسخ و منسوخ کی بحث چلتی ہے۔ لیکن فقہ میں کوئی نسخ و منسوخ کے فاصلے نہیں۔
 4. حدیث میں غلطی لائق درگزر نہیں فقہ میں نادرست اجتہاد پر بھی ایک اجر کا وعدہ ہے۔
- اس صورت حال میں آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ حدیث اور فقہ میں محل خطر کہاں ہے؟ فقہ کے آزاد مطالعہ میں خطرے کم ہیں، جب کہ حدیث کے آزاد مطالعے میں خطرے زیادہ ہیں۔ علماء نے ”فقہ السنۃ“ میں تو محنت کی ہے اور اس عنوان پر کتابیں لکھیں ہیں۔ لیکن ”سنۃ الفقہ“ کا عنوان کہیں نظر سے نہ گزرا ہو گا۔
- حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ م 198ھ کس پائے کے محدث ہیں؟ اسے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی زبانی سنیے:
- آپ امام، حجت، حافظ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر انسان تھے۔
- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر امام مالک رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث ختم ہو جاتا۔
- امام عبدالرحمان مہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
- کہ ابن عیینہ رحمہ اللہ اہل حجاز کی حدیث سب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا ہے فرماتے تھے: ابن عیینہ رحمہ اللہ حماد بن زید سے بڑے حافظ حدیث ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں نے ان سے زیادہ حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 211 اردو)

آپ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ م 256ھ اور حضرت امام مسلم رحمہ اللہ م 261ھ دونوں کے استاد ہیں فرماتے ہیں: الحدیث مضلة الالفقهاء۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 211 اردو)

ترجمہ: ”حدیث میں بہک جانے کی بہت راہیں ہیں مگر فقہاء کے لیے یہ خطرہ نہیں“
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں: ما أنت بمحدث قوما حديثا لا تبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنة۔
(صحیح مسلم ج 1 ص 9)

ترجمہ: تم کسی قوم کے پس کوئی حدیث بیان کرو جو ان کی سمجھ سے بالا ہو تو وہ ان میں سے بعض کے لیے ضرور فتنہ بن جائے گی۔

بعض کے لیے کیوں کہا؟ وہ ان سب کے لیے جو اسے نہ سمجھتے ہوں فتنہ کیوں نہ بنے گی؟ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ بعض اس پر براہ راست عمل نہ کریں۔ وہ فقہ کے سائے میں چلنے والے ہوں اور کسی فقیہ کی پیروی میں وہ اس فتنہ سے بچ جائیں اور بعض براہ راست عمل بالحدیث کے قائل ہوں وہ اس گڑھے میں آگریں۔ کسی فقیہ کی رہنمائی میں چلنا وہ عیب سمجھتے ہوں۔

کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث کو فتنہ کہا ہے؟:

بعض حضرات جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس لیے ناراض ہیں کہ وہ نماز میں رکوع کے وقت رفع الیدین نہ کرتے تھے ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے حدیث کو ”فتنہ“ کہا ہے۔

نہیں ایسا نہیں ہے، انہوں نے حدیث کو فتنہ نہیں کہا بلکہ اس شخص کے عمل بالحدیث کو فتنہ کہا ہے جو علم نہ رکھتا ہو اور جہاں اسے کوئی حدیث ملے وہ اس پر عمل کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ اسے فقیہ درجے کے علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان سے پوچھے بغیر وہ ظاہر حدیث پر عمل پیرا نہ ہو، اس میں بقول حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس کے گمراہ ہونے کا بہت اندیشہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام مالک رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے پاس کئی ایسی احادیث ہیں جو آپ کے پاس نہیں۔ آپ نے کہا اگر میں لوگوں کو وہ تمام احادیث روایت کروں جو میں نے سنیں تو میں احمق ہوں گا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں انہیں گمراہ کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اِنِّیْ اُرِیدُ اَنْ اُضِلَّھُمْ اِذَا وَلَقَدْ خَرَجْتُ مِنْیْ اَحَادِیْثٍ لَّوْ دِدْتُ اَنْیْ ضَرَبْتُ بِکُلِّ حَدِیْثٍ مِنْھَا سَوْطًا، وَلَمْ اُحْدِثْ بِھَا۔ (ترتیب المدارک ج 1 ص 188)

ترجمہ: سو اس صورت میں ان کو گمراہ کرنے والا بنوں گا مجھ سے کئی ایسی احادیث بیان ہو چکی ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک ایک کے بدلے ایک کوڑا لگ جاتا اور میں نے انہیں روایت نہ کیا ہوتا۔ آپ کے شاگرد محمد بن عیسیٰ الطباع رحمہ اللہ کے بیان سے امام مالک رحمہ اللہ کے اصول کا پتہ چلتا ہے: کل حدیث جاءك عن النبی

صلی اللہ علیہ وسلم لم يبلغك أن أحدا من أصحابه فعله فدعه.

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب ج 1 ص 132)

ترجمہ: ہر حدیث جو تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اس پر کسی صحابی کا عمل نہ ہو اسے چھوڑ دو۔

مجتہد علماء کے لیے امام مجتہد کی پیروی ضروری نہیں:

مجتہد اپنے سے بڑے مجتہد کی پیروی کرے، یہ جائز ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کس اونچے درجے کے مجتہد تھے، مگر آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی میں چلتے تھے۔ ان کے اجتہاد کے سامنے اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ خود مجتہد تھے مگر زیادہ تر حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی میں چلتے تھے یہ جائز ہے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو ہم اسے ملزم نہ گردانیں گے۔

قاسم بن محمد الاندلسی القرطبی رحمہ اللہ م 276ھ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے پیرو تھے۔ جب فقہ میں مہارت حاصل کر لی اور امامت اور اجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے تو تقلید چھوڑ دی لوگوں کو امام شافعی رحمہ اللہ سے ہٹانے کے لیے ”کتاب الايضاح فی الرد علی المقلدین“ لکھی۔ حضرت علامہ محمد بن جریر الطبری رحمہ اللہ م 310ھ بھی شافعی المذہب تھے۔ آپ نے اجتہاد کے دائرہ میں قدم رکھا تو کسی خاص مسلک کی تقلید سے کنارہ کش ہو گئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ غیر مجتہد بھی کسی امام مجتہد کی پیروی سے نکلنے کا مجاز ہے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ ظاہر حدیث پر عمل کرنا اس کے لیے فتنہ بن جائے۔ حدیث علم کا خزانہ ہے اور کھرا سونا ہے، فقہ اس کے کھرا رکھنے اور غلط آلائش سے بچانے کی علمی ضمانت ہے، حدیث اور فقہ میں تو اول

درجہ حدیث کا ہے مگر محدثین اور فقہاء میں فقہاء پہلے ہیں اور بقول امام ترمذی رحمہ اللہ وہ حدیث کے معنی سمجھنے میں محدثین سے آگے نکل گئے ہیں۔

تاہم یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جاسکتی ہے کہ محدثین اور فقہاء میں کوئی علمی، فکری اور اعتقادی فاصلہ نہیں۔ تاریخ میں ہر دو طبقے ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ ابن حزم ظاہری کے بعد آٹھ سو سال تک کسی نے فقہ کی ضرورت کا انکار نہیں کیا۔ پہلا شخص جس نے برٹش انڈیا میں فقہ کے خلاف آواز اٹھائی وہ ”ہری چند کھتری“ تھا جو پہلے ہندو تھا اور معلوم نہیں کس ارادے سے مسلمانوں میں گھس آیا تھا۔

فقہاء اور محدثین کی پوری تاریخ اسلام میں ساتھ ساتھ چلے ہیں علم میں دونوں سے استناد رہے تو انسان بھٹکتا نہیں، ورنہ بلا فقہ جانے مطالعہ حدیث میں خطرے ہی خطرے ہیں۔ امام ابن وہب رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں کیا پتہ کی بات کہہ گئے: کل صاحب حدیث لیس له امام فی الفقہ ضال ولولا أن الله استنقذنا بمالك والیث للضللنا۔ (ترتیب المدارک ج 2 ص 427)

ترجمہ: ہر اہل حدیث جو فقہ میں کسی امام کا پیرو نہیں، رستے سے بھٹکا ہوا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں امام مالک اور لیث بن سعد مصری کے ذریعہ اس مشکل سے نہ نکالتے تو ہم بھٹک جاتے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ گہری بصیرت سے نصیحت فرماتے ہیں: ایاک ان تتکلم فی مسئلة لیس لك فیہا امام۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج 10 ص 320، سیر اعلام النبلاء ج 11 ص 296)

ترجمہ: خبردار! اس سے بچنا کہ تم کوئی مسئلہ بتاؤ اور اس میں تمہارا کوئی پیش رونہ ہو۔ کئی ایسی احادیث بھی ہیں جن پر فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ امام سفیان الثوری رحمہ

اللہ م 161ھ فرماتے ہیں: قد جاءت احادیث لا یوخذ بها۔ (شرح العلل ج 1 ص 29)

جو مجتہد نہیں وہ اجتہادی مسائل میں تقلید کرے:

ہر ایک شخص مجتہد درجے کا ہو، یہ عادیہ محال ہے۔ اس سے دوسرے سب کام رک جائیں گے اور یہ فطرت کے خلاف ہے۔ شیخ شنقیطی لکھتے ہیں: ولو کلف الناس کلهم الاجتهاد وأن یكونوا علماء فضلاء لضاعت مصالح العباد، وتعطلت السنن والمتاجر وكان الناس کلهم علماء مجتہدین وهذا مما لا سبیل إلیہ شرعاً والقدر قد منع من وقوعه۔

(أضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن للشنقیطی ج 7 ص 503)

ترجمہ: اگر لوگ سب کے سب اجتہاد کے مکلف ٹھہرائے جائیں اور یہ کہ وہ سب عالم فاضل بنیں تو اس سے تمام مصالح عباد جاتی رہیں گی اور رفتار عمل اور کاروبار کی منڈیاں سرپڑ جائیں گی اور سب لوگ بس مجتہد ہی ہوں گے اس کا نہ شرع تقاضا کرتی ہے اور قضاء قدر نے ایسا ہونے بھی نہیں دیا۔

قرآن پاک میں صرف ایک طبقے کو مجتہد بننے کے لیے کہا گیا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ باقی سب لوگ ان کی تقلید کریں: فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ..... وهذا تقلید منهم للعلماء۔ (أضواء البیان فی إیضاح القرآن بالقرآن للشنقیطی ج 7 ص 503)

ترجمہ: یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر طبقے سے کچھ لوگ دین میں فقہ کی تعلیم کے لیے نکلیں یہ ان طبقوں کی طرف سے ان اہل علم کی تقلید ہے۔

یعنی جب وہ فقہ کی تعلیم لے کر آئیں تو پھر اپنی قوم کو اللہ کے خوف سے ڈرائیں اور انہیں شریعت کے احکام بتائیں اور یہ ان کے پیچھے چلیں۔

طالب دنیا اور طالب آخرت

5 ستمبر 2013ء بروز جمعرات حضرت الشیخ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھسن حفظہ اللہ نے خانقاہ اشرفیہ اختر فیہ مرکز اہل السنۃ والجماعۃ 87 جنوبی سرگودھا میں منعقدہ ماہانہ مجلس ذکر سے خطاب فرمایا، جس میں ”طالب دنیا اور طالب آخرت“ کے عنوان پر پُر اثر گفتگو فرمائی اور چاروں سلاسل میں خلق خدا کو بیعت بھی فرمایا۔ اس موقع پر حضرت والا کے بیان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْہِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّہْدِیْہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ. وَمَنْ یُّضِلِّہٗ فَلَا ہَادِیَ لَہٗ. وَنَشْہَدُ
اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ وَحَبِیْبِہٖ وَسَلَّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ
الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ: مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَہٗ تَجَلَّلْنَا لَہٗ فِیْہَا مَا نَشَآءُ
لِیَنْ نُرِیْدَ نَعْمَ جَعَلْنَا لَہٗ جَہَنَّمَ یَضِلَّاہَا مَذْمُوْمًا مَذْخُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَہٗ وَسَعٰی
لَہَا سَعِیْبًا وَہُوَ مُؤْمِنٌ قَاوَلْتُكَ کَانَ سَعِیْبُہُمْ مَشْکُوْرًا ۝ کُلًّا مُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ
عَطَاۤءِ رَبِّکَ وَمَا کَانَ عَطَاۤءُ رَبِّکَ فَحْظُوْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: 18، 20)

اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ
اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ. اَللّٰہُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ.

پارہ 15 سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 18، 19، 20 تین آیات تلاوت کی

ہیں۔ ان آیات میں اللہ رب العزت نے دو قسم کے انسانوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

دو قسم کے لوگ:

1: طالبین دنیا (جو دنیا کے طالب ہیں)

2: طالبین آخرت (جو آخرت کے طالب ہیں)

دنیا کا طالب اور آخرت کا طالب کسے کہتے ہیں؟ آسان لفظوں میں یوں سمجھیں کہ جو شخص دنیا میں جیتا ہے، جینے کے لیے۔ یہ ”طالب دنیا“ ہے اور جو شخص دنیا میں جیتا ہے، مرنے کے لیے۔ یہ ”طالب آخرت“ ہے۔

بعض لوگوں کا دنیا میں جینے کا مقصد صرف ”جینا“ ہوتا ہے اور بعض لوگوں کا دنیا میں جینے کا مقصد ”مرنا“ ہوتا ہے۔ جب انسان جیتا ہے ”جینے کے لیے“ تو اس کے جینے کے انداز اور ہوتا ہے اور جب جیتا ہے ”مرنے کے لیے“ تو اس کے جینے کا انداز اور ہوتا ہے۔ دو قسم کے طبقوں کا اللہ رب العزت نے تذکرہ فرمایا ہے۔ میں ان دو طبقوں میں تھوڑا سا فرق عرض کرتا ہوں تاکہ ہمیں مزید بات سمجھ آئے۔

جو شخص دنیا میں جیتا ہے جینے کے لیے اس کی ہر وقت فکر اور تمننا یہ ہوتی ہے کہ میں نے کس کس سے کیا کیا لینا ہے؟ اور جو جیتا ہے مرنے کے لیے اس کی ہر وقت فکر یہ ہوتی ہے کہ میں نے کس کس کو کیا کیا دینا ہے؟ طالب دنیا کی فکر ہے کہ میں کس کس سے کیا لے سکتا ہوں؟ اور طالب آخرت کی فکر یہ ہے کہ میں کس کس کو کیا دے سکتا ہوں؟

اب یہ بات سمجھنی کوئی مشکل نہیں ہے۔ دنیا میں کئی لوگ ایسے ہیں جن کی

چوبیس گھنٹے کی فکر یہ ہے کہ جس سے میں نے کچھ لینا وہ رہ نہ جائے، اس کے لیے

◎ خاندان سے تعلق توڑنا پڑے

◎ اس کے لیے قتل کرنا پڑے

◎ قتل ہونا پڑے

◎ اس کے لیے جیل جانا پڑے

◎ جیل بھجوانا پڑے

◎ اس کے لیے بڑے سے بڑا معرکہ لڑنا پڑے

بس یہ فکر ہے کہ میں نے جس سے لینا ہے اسے کیسے لے سکوں؟ اس پر کبھی روڈ بلاک ہوتے ہیں، کبھی احتجاج ہوتے ہیں، کبھی جلوس نکلتے ہیں۔ یہ ساری جنگیں اس بات کی ہیں کہ ہمارے حقوق یہ ہیں، ہمارا حق یہ ہے، ہم اپنا حق لے کر رہیں گے۔ کبھی آپ نے ایسا احتجاج دیکھا یا سنا ہو کہ لوگ کہیں کہ ہمارے ذمہ فلاں کا دینا تھا وہ نہیں لے رہا، کبھی آپ نے دیکھا ہو؟ ہاں یہ لڑائی تو ہوتی ہے کہ اتنی بجلی ہمارا حق تھا ہمیں نہیں مل رہی۔ یہ لڑائی ہو کہ بجلی کا بل دینا تھا ہم دو دفعہ گئے ہیں، واپڈا والے وصول نہیں کر رہے، یہ لڑائی نہیں ہوگی۔

سوچ میں فرق:

تو طالب دنیا اور ہے اور طالب آخرت اور ہے، طالب دنیا وہ ہے جو سوچتا ہے کہ میں نے کس کس سے کیا کیا لینا ہے اور طالب آخرت سوچتا ہے کہ میں نے کس کس کو کیا کیا دینا ہے؟ اگر ہم نے کسی سے کچھ لینا ہے اور اس دنیا میں نہ لے سکے تو اللہ موت کے بعد ہمیں دلوائے گا اور اگر ہم نے کسی کو دینا ہے اور ہم نہیں دے سکے تو موت کے بعد اللہ ہم سے دلوائے گا۔ قیامت کے دن

★ مال نہیں ہے

★ دولت نہیں ہے

★ وہاں دراہم نہیں ہیں

☆ وہاں ودنا نیر نہیں ہیں

☆ وہاں سونا نہیں ہے

☆ وہاں چاندی نہیں ہیں

☆ وہاں کرنسی نہیں ہے

☆ وہاں نقدی نہیں ہے

☆ وہاں پیسے نہیں ہیں

☆ وہاں زر نہیں ہے

وہاں صرف اور صرف اعمال ہوں گے۔ اگر دنیا میں کسی سے ہم نے کچھ لینا ہے اور نہ لے سکے تو اللہ اس کے نیک اعمال ہمیں دلوادیں گے اور ہمارے اعمال بد اسے دلوادیں گے اور اگر ہم نے دینا ہے اور نہ دے سکے تو اللہ ہمارے نیک اعمال اللہ اس کو دلوادیں گے اور اس کے اعمال بد؛ اللہ ہمیں دلوائیں گے۔

اب آپ بتاؤ کتنا نقصان اور خسارے کی بات ہے، ہمیں اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ جس سے حق لینا ہے لیں لیکن اس کے لیے لڑنا، اس کے لیے جھگڑنا، قتل و غارت کرنا اور خاندانوں کو برباد کرنا یہ بہت بڑی نادانی، حماقت اور بے وقوفی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَيْضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا وَبَبَيْتٍ فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ**۔ (سنن أبی داود: رقم: 4802)

ترجمہ: جو شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی لڑائی جھگڑا چھوڑ دے اللہ اس کو قیامت کے دن وسط الجنّت کی نعمت عطا فرمائیں گے۔

حق ہے لیکن لیتا کیوں نہیں کہ لڑائی ہے، لڑائی کی وجہ سے حق کو چھوڑ دیا ہے تو قیامت کے دن اللہ اس کو جو جنت کا درمیانی حصہ ہے وہ عطا فرمائیں گے۔

غریب کون؟:

شعب الایمان میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے اور صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ایک حدیث مبارک نقل فرمائی میں ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا تم بتاؤ تمہارے ہاں غریب کا معنی کیا ہے؟ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ، جس کے پاس مال، سونا، چاندی اور جائیداد نہ ہو یہ غریب ہے۔ فرمایا: غریب یہ نہیں ہے، غریب وہ ہے کہ جس کے پاس اعمال موجود ہیں، قیامت کے دن اللہ کے دربار میں آئے اور ایک شخص یہ بات کہے کہ

❁ یا اللہ اس نے مجھے گالی دی تھی، اللہ اس کا نیک عمل اس کو دے دیں۔

❁ اللہ اس نے میری غیبت کی تھی، نیک عمل اس کا اللہ اس کو دے دیں۔

❁ اللہ اس نے میری عزت مجروح کی تھی اللہ اس کے نیک اعمال اس کو دے دیں۔

❁ وہ اور بھی اپنے حقوق کا مطالبہ کرے، اس کے نیک اعمال ختم ہو جائیں۔

❁ اللہ پھر اس کے اعمال بد اس کو دے دیں۔

فرمایا غریب یہ ہے جو اعمال لے کر گیا تھا، لیکن دوسروں کے حقوق کے مطالبے میں نیک اعمال چلے گئے، ان کے اعمال بد اس کی گردن پر ڈال دیے گئے۔ وہ جنت میں گیا اور یہ جہنم میں گیا، اعمال ہونے کے باوجود بھی جہنم میں جائے تو غریب یہ شخص ہے۔

دیندار طبقے میں کوتاہی:

ہم بہت سارے دین دار لوگ بھی اس کا اہتمام نہیں کرتے مسجد میں آئے ہیں اپنا جو تاگم ہو گیا، کسی کا پہن لیں گے۔ بھئی! آپ کا جو تاگم ہو گیا ہے تو کسی کا جو تا کیوں پہنتے ہو؟ ننگے پاؤں گھر کو چلے جاؤ، ننگے پاؤں گھر جانا آسان ہے قیامت کے دن

جوتے کے بدلے اعمال دینا مشکل ہے۔ ہم اگر کسی جگہ پر گئے اور وہاں پر ہماری چیز چلی گئی تو دوسرے کی چیز اٹھا لیتے ہیں ہم دوسرے کی چیز کیوں اٹھاتے ہیں؟ اپنے نیک اعمال برباد کیوں کریں۔ کسی کے اعمال بدل اپنے کھاتے کیوں ڈالیں؟ ہمیں اس سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔ ایک طالب دنیا ہے اور ایک طالب آخرت ہے۔ طالب دنیا کی فکر یہ ہے کہ میں نے دنیا میں کس کس سے لینا ہے کہیں رہ نہ جائے۔ اور طالب آخرت کی فکر یہ ہے کہ میں نے کس کس کو دینا ہے وہ رہ نہ جائے۔ طالب دنیا لینے کی فکر کرتا ہے اور طالب آخرت اپنے ذمے حقوق ہیں انہیں دینے کی فکر کرتا ہے۔

طالب دنیا اور طالب آخرت میں فرق:

اللہ رب العزت نے اس آیت میں ان دونوں قسم کے طبقوں کا تذکرہ فرمایا ہے کہ بعض طالب دنیا ہیں اور بعض طالب آخرت۔ اور دوسرا ان میں فرق کیا ہے؟ کہ دنیا کا جو طالب ہے وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں مر گیا۔

★ میرے مرنے کے بعد میری اولاد کا کیا بنے گا؟

★ میری موت کے بعد میری اولاد کہاں سے کھائے گی؟

★ میری موت کے بعد میری اولاد کہاں ٹھہرے گی؟

★ میری موت کے بعد میری اولاد کا مستقبل کیا ہوگا؟

اور طالب آخرت سوچتا ہے کہ جب میری اولاد مر گئی تو میری اولاد کا کیا بنے گا؟ طالب دنیا کی فکر کیا ہے؟ کہ میری اولاد کے مستقبل کا کیا ہوگا اور طالب آخرت کی فکر کیا ہے کہ جب میری اولاد مر گئی تو قبر، آخرت اور حشر کا کیا بنے گا؟ یہی وجہ ہے کہ لوگ اسکول میں بچے کو بڑی خوشی سے اور جلدی بھیج دیتے

ہیں۔ کیوں؟

- ◎ پڑھے گا انجینئر بنے گا۔
- ◎ یہ پڑھے گا ڈاکٹر بنے گا۔
- ◎ یہ پڑھے گا پروفیسر بنے گا۔
- ◎ یہ پڑھے گا کیپٹن بنے گا۔
- ◎ یہ پڑھے گا اچھے عہدے پر چلا جائے گا۔

میں شاید مر جاؤں تو میری موت کے بعد اس کی دنیا سنور جائے گی اور دعائیں دے گا کہ ابو نے بڑا اچھا کام کیا تھا۔ اور مدرسے میں کیوں نہیں بھیجتا؟ وہ سمجھتا ہے کہ مدرسہ میں پڑھا ہوا ڈاکٹر نہیں بنتا اس لیے اس کی دنیا کا کیا بنے گا؟ یہ میری موت کے بعد میری قبر پر لعنت بھیجے گا کہ میرے باپ نے میری دنیا نہیں بنائی۔

طالب آخرت کی سوچ:

اور جو طالب آخرت ہے وہ سکول کی بجائے مدرسے کو ترجیح دیتا ہے، اس کے سامنے اگر ستر سال کی دنیا ہے تو ابد الابد کی آخرت بھی ہے، اس کو پتہ ہے کہ جب یہ میرا بیٹا اعمال بد کی وجہ سے جہنم میں جائے گا تو یہی بیٹا اللہ سے عرض کرے گا: اللہ میرے اس باپ اور میری ماں کو دو گنا عذاب دے، انہوں نے دین کی تعلیم نہیں دی، آج میں جہنم میں جلا ہوں اگر یہ دین پڑھا لیتے آج میں جنت میں چلا جاتا وہ سمجھتا ہے کہ اگر میرے بیٹے نے دین نہ پڑھا یہ خود بھی جہنم میں جائے گا اور مجھے بھی جہنم میں گھسیٹ لے گا۔ اس لیے وہ آخرت کی فکر کرتے ہیں۔

میری اولاد کا کیا بنے گا؟:

تو طالب دنیا کون ہے؟ جو یہ سمجھتا ہے کہ میری موت کے بعد میری اولاد کا کیا بنے گا؟ اور طالب آخرت سمجھتا ہے کہ میری اولاد مر جائے گی تو میری اولاد کا کیا

بنے گا؟ اور آج یہی فکر اور غم ہر بندے کو کھائے جا رہا ہے کہ میری دنیا، میرا مستقبل، میرا کیا بنے گا؟ اور باپ اپنے بیٹے کی آخرت کو ذبح کر دیتا ہے کہ میرے بیٹے کی دنیا برباد نہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ بات بالکل بجاہے کہ جب آدمی اللہ کے لیے خود کو پیش کر دیتا ہے اللہ اس بندے کی دنیا کبھی بھی خراب نہیں فرماتے۔ اللہ اس بندے کی دنیا کبھی تباہ نہیں کرتے۔

اللہ کی طرف سے اعزاز:

ہمیں ایک بات پر تعجب ہوتا ہے، آپ سیاسی پارٹی کے لیے دودن کی جیل کاٹیں اور آپ کا مقام بڑھ جائے اللہ کے لیے کاٹیں اور مقام گر جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ کسی سیاسی لیڈر کے لیے کچھ مشقت برداشت کریں وہ آپ کے منصب کا خیال کرے، اللہ کے لیے مشقت برداشت کریں اللہ خیال نہ کرے؟ بتاؤ! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ بات چونکہ چل رہی ہے اس لیے میں درمیان میں ایک بات لطافت کے لیے یا کہہ لیں کہ سمجھانے کے لیے کرتا ہوں۔

اللہ کی طاقت بڑی ہے:

منڈی بہاؤ الدین کے علاقے میں کا میر انجی سفر تھا، کچھ علماء بیٹھے تھے ان میں ایک عالم مجھ سے فرمانے لگے: مولانا صاحب! بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایجنسیوں کے ہیں میری عادت ہے کہ میں ذاتیات کے حوالے سے نہ بہت زیادہ پریشان ہوتا ہوں نہ صفائی دیتا ہوں، پریشان ہوں گے تو صفائیاں دیں گے ناں۔ جب پریشان ہی نہیں تو صفائی دینے کی ضرورت کیا ہے؟ میں نے کہا میں اس سے تو بحث نہیں کرتا کہ میں ایجنسی کا ہوں یا نہیں لیکن آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش فرمائیں! آپ کی دلیل کا جائزہ لے لیتے ہیں، اس نے کہا: جو کہتے ہیں آپ ایجنسیوں کے ہیں ان کی دلیل یہ ہے

کہ آپ کے پاس اتنی بڑی گاڑی کہاں سے آئی؟ عام مولوی یہ نہیں رکھ سکتے، یہ ایجنسیاں ہی دیتی ہیں۔ میں نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور دلیل ہو تو پیش کرو اٹھ دلائل پیش کر دیں تاکہ مجھے بات کہنے میں بڑی آسانی ہو۔ کہتا ہے نہیں، بس یہی بات ہے۔ میں نے کہا اور ہیں، لیکن آپ پیش نہیں کرتے، کہ اس کا جواب سنیں کیا ملتا ہے، پھر اور بھی پیش کریں گے۔

میں نے کہا اگر کوئی آدمی ایجنسی کے لیے کام کرے تو دنیا کی ایجنسیاں اسے نوازتی ہیں؟ کہا: جی بالکل۔ میں نے کہا اللہ کے لیے کام کریں تو اللہ نوازتے ہیں؟ اس نے کہا: جی بالکل۔ میں نے کہا اللہ کی طاقت بڑی ہے یا ایجنسیوں کی بڑی ہے؟ اس نے کہا جی اللہ کی طاقت بڑی ہے۔ میں نے کہا پھر ایجنسی کے لیے کام کریں گے وہ چھوٹی سی گاڑی دیں گے۔ اللہ کے لیے کریں گے تو بڑی دیں گے، تو بڑی گاڑی ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ اللہ کے لیے کام ہے، اس بات کی نہیں کہ یہ ایجنسی کے لیے کام ہے۔ میں نے کہا آپ کا دماغ چونکہ بالکل چھوٹا تھا اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کو سوچتے ہیں، جن کا دماغ بڑا ہوتا ہے وہ بڑی بڑی باتوں کو سوچتے ہیں۔ میں نے کہا: جی اور کوئی دلیل ہو تو پیش کرو! کہتا ہے کہ یہ تو ہم سارے ہی کہتے ہیں کہ باتوں میں آپ سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ میں نے کہا ویسے ہی مان لو۔ جب آپ سمجھتے ہیں تو پھٹا ڈالنے کی ضرورت کیا ہے؟ آپ ویسے ہی بات قبول کر لیں اس میں حرج ہی کیا ہے؟

اللہ کا ہو کر دیکھو:

خیر میں یہ سمجھا رہا تھا مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقات میں ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں ہے من کان لله کان الله له۔

(مرقات ج 4 ص 553 باب صلاة الضعی)

جب آدمی اللہ کے لیے کام کرتا ہے اللہ اس کی دنیا سنوار دیتے ہیں۔ اب دنیا اللہ کے لیے قربان کر دو تو اللہ دنیا بھی سنوارتا ہے اور آخرت بھی سنوارتے ہیں۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ اللہ پاک نوازیں نہ۔ ایسا ممکن نہیں ہے کہ اللہ پاک انسان کے لیے یہ عزتیں اور وسعتیں پیدا نہ کرے ایسا ممکن نہیں ہے۔ تو طالب دنیا کی فکر یہ ہے کہ میں مر گیا تو میری اولاد کا کیا بنے گا اور طالب آخرت کی فکر یہ ہے کہ میری اولاد مر گئی تو میری اولاد کا کیا بنے گا۔؟

سکول اور مدرسے کی تعلیم:

ہمارے قریبی عزیز ہیں ان کی بچیاں ہیں ایف اے، بی اے، ایم اے۔ میں نے ان کو ترغیب دی کہ آپ اپنی ایک بیٹی کو مدرسہ میں داخل کرو! چار سالہ کورس کر لے۔ اب بیٹیاں جواب دیتی ہیں کہ کیا کالج میں پڑھنا گناہ ہے؟ میں نے کہا: میں نے گناہ کی بات ہی نہیں کی، میں نے کہا تم نے ایف اے، بی اے کیا، اب تین چار سال مدرسے کا کورس کر لیں۔ کہنے لگیں: نہیں آپ یہ بتائیں کالج پڑھنا گناہ ہے؟ میں نے کہا ایسی فضول بحث کا فائدہ نہیں ہے، نہ کالج میں پڑھنا گناہ ہے اور نہ ہی مدرسے میں پڑھنا گناہ ہے۔ حدود شریعت کے مطابق ہو تو کالج عبادت ہے اور حدود شریعت کے خلاف ہو تو مدرسہ بھی گناہ ہے۔ مسئلہ تو شریعت کا ہے مسئلہ تو کالج یا مدرسے کا نہیں ہے ناں۔

آخر ہمارا مستقبل بھی ہے:

خیر! مجھے وہ کہنے لگیں کہ آخر ہمارا مستقبل بھی ہے، اگر کالج پڑھ کر اپنا مستقبل سنواریں تو اس میں حرج کیا ہے؟ میں نے کہا جس مستقبل کو سنوارنے کے لیے آپ نے 16 سال پڑھا ہے تو اس کی مدت کتنی ہے؟ اس نے کہا جب تک زندہ ہیں۔ میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس امت کی اوسط مدت

عمر 60 سے 70 سال تک ہے، کوئی 90 سال کا ہے، کوئی 40 سال کا ہے، کوئی 100 سال کا ہے، 60 سے 70 سال تک اوسط عمر ہے۔ میں نے کہا آپ کی عمر کو 70 سال مانتا ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ 70 سال کی عمر کو سنوارنے کے لیے 16 سال آپ نے پڑھا ہے۔ آپ نے 4 سال کی عمر میں اسکول میں داخلہ لیا۔

اب تو چار کا انتظار کوئی نہیں کرتا اڑھائی تین سال میں ایک کلو کا بستہ کندھے پر لا دیتے ہیں کہ اب بچہ بولنے کے قابل ہو گیا ہے اب اس کو گھر سے نکال دو اور اس کو اسکول بھیج دو، اب تو تین سال کے عرصہ میں ماں تنگ آکر اسکول بھیجتی ہے اور اس کو سنبھالنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے۔

لوگوں کی الٹی سوچ:

عجیب بات یہ ہے کہ آپ یہ کہتے ہو تو بچیاں مدرسہ میں بھیج دو تو چوک سے گزر کر کیسے جائیں گی؟ جبکہ گاڑی میں بیٹھ کر کالج جاتی ہیں تو پردے کا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا بیان سننے کے لیے کچھ عورتیں آئیں تو مجھے کہتی ہیں کہ بازار میں کیسے گزریں گی، شاپنگ کے لیے بازاروں میں گھومتی رہتی ہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں، مدرسہ میں بھیج دو تو صبح بچی کے لیے اٹھنا مشکل ہے، نیکر پہنا کے سردی میں اس کو سوزو کی میں بٹھا کر اسکول بھیجتے ہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم پانچ سال کا بچہ مدرسہ میں پڑھانے کے لیے مانگیں تو ان کو بات سمجھ نہیں آتی اور وہاں اسکول میں تین سال کا ہو تو بھیج رہے ہیں تو وہاں ان کو بات سمجھ آتی ہے۔

دنیا اور آخرت کی زندگی:

میں نے کہا چلیں اگر 4 سال کی عمر میں پڑھنے لگی ہو اور 16 سال پڑھا ہے تو یہ کل 20 سال بنتے ہیں، تو 70 سے 20 نکال دو تو 50 رہ گئے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

50 کا مستقبل سنوارنے کے لیے تمہیں 16 سال پڑھنا پڑا ہے۔ یہ بتاؤ کہ

❖ قبر کی زندگی کی قائل ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں بالکل۔

❖ میں نے کہا: ثواب و عذاب ہوتا ہے؟ تو اس نے کہا: بالکل۔

❖ حشر کی قائل ہو؟

❖ جنت کی قائل ہو؟

❖ جہنم کی قائل ہو؟

❖ اس نے کہا: کیوں نہیں ہم مسلمان ہیں۔

❖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے۔

میں نے کہا: چلو یہ بتاؤ کہ یہ جو موت کے بعد آگے جنت جہنم کی زندگی ہے تو اس کی مدت کتنی ہے؟ ایک ہزار سال، لاکھ سال، کروڑ سال، ارب سال مدت کتنی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تو غیر محدود زندگی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر 50 سالہ زندگی سنوارنے کے لیے 16 سال پڑھنا پڑتا ہے تو غیر محدود زندگی کا مستقبل سنوارنے کے لیے کتنے سال پڑھنا چاہیے؟ تم خود بتاؤ یہ بھی مستقبل ہے اور وہ بھی مستقبل ہے۔

اسکول اور مدرسہ والوں کا معاملہ:

تو میں نے کہا: اسکول والوں کا ظلم دیکھو انہوں نے تمہارے 50 سال کے مستقبل کے لیے 16 سال پڑھنا بتایا اور مدرسے والوں کا رحم دیکھو کہ تمہاری غیر محدود زندگی کے مستقبل کے لیے صرف 4 سال مانگے ہیں، یہ چار سال تو مہنگے نظر آتے ہیں اور 16 سال سستے نظر آتے ہیں، وجہ کیا ہے؟ آنکھوں کے سامنے دنیا ہے اور آنکھوں کے سامنے آخرت نہیں ہے۔ تو ایک طبقہ وہ ہے جو طالب دنیا ہے اور ایک طبقہ وہ ہے

جو طالب آخرت ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں طالب دنیائے بنائے اور اللہ ہمیں طالب آخرت بنائے۔

اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے بچیں:

اس کی بھرپور کوشش کریں دنیا میں کسی کو گالی نہ دیں، اگر دی ہے تو معافی مانگ لیں، اس کی پوری کوشش کریں کہ دنیا میں کسی پر زیادتی نہ کریں۔ اگر کی ہے تو معافی مانگ لیں۔ دنیا کی ذلت آسان ہے اور آخرت کی ذلت بڑی مشکل ہے۔ آج دنیا میں معافی مانگیں گے ایک کے سامنے خلوت میں، تو یہ ذلت بڑی آسان ہے اور حشر میں جب معافی مانگیں گے اربوں انسانوں کے سامنے روزِ محشر میں تو وہ ذلت بڑی مشکل ہوگی۔ توسعات مند اور خوش قسمت انسان وہ ہے کہ جو دنیا میں تو اپنی ذلت کو برداشت کرے اور آخرت میں ذلت سے بچنے کی کوشش کرے۔

آیات کا مفہوم:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے دونوں کا تذکرہ کیا ہے۔ جب طالب دنیا کا ذکر کیا ہے تو اتنی مختصر اور جامع گفتگو کی ہے کہ انسان قرآن کی فصاحت پہ عیش کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ﴾ کہ جو شخص دنیا کے لیے جیتا ہے تو وہ کان کھول کر سنے!

☆ وہ کماتا ہے۔

☆ وہ محنت کرتا ہے۔

☆ وہ دولت جمع کرتا ہے۔

اس کا خیال یہ ہے کہ

☆ میں زیادہ محنت کروں گا تو زیادہ دولت ملے گی۔

☆ میرے پاس دنیا کے اسباب زیادہ ہوں گے دولت زیادہ ملے گی۔

☆ عقلمند زیادہ ہوا تو دولت زیادہ ملے گی۔

☆ میری برادری کے لوگ زیادہ ہوں گے تو دولت زیادہ ملے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ جَعَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ﴾ ہم دنیا اُسے دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں اور اُتنی دیتے ہیں جتنی چاہتے ہیں۔

◎ نہ علم کے مطابق دیتے ہیں۔

◎ نہ طاقت کے مطابق دیتے ہیں۔

◎ نہ عقل کے مطابق دیتے ہیں۔

◎ نہ انسان کے چاہنے کے مطابق دیتے ہیں۔

اتنی دیتے ہیں جتنی چاہتے ہیں اور اس کو دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان محنت کرنا چھوڑ دے، محنت کرے مگر ذہن یہ بنائے کہ میری محنت پر دنیا نہیں ہے۔ میرے اسباب میں کو مال کمانے میں دخل نہیں ہے بلکہ یہ مال و دولت محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ پھر فرمایا ”ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ“ جنت یہ محنت کرتا نہیں تھا اس لیے ہم اسے جنت نہیں دیں گے بلکہ جہنم میں ڈال دیں گے۔ فرمایا ”يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَذْهُورًا“ کہ یہ جہنم میں جائے گا، ملامت بھی ہوگی اور ذلیل بھی ہوگا، عزت کے ساتھ نہیں بلکہ ذلت کے ساتھ جہنم میں جائے گا۔

طالبینِ آخرت سے ہمدردی:

مزید فرمایا ”وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا“ اللہ نے کتنی پیاری بات فرمائی ہے اور طالبینِ آخرت کے ساتھ کتنا ہمدردی کا اظہار فرمایا ہے۔ ایک آدمی طالبِ آخرت نہیں ہے، محنت بھی نہ کرے اور

اس کو آخرت بھی نہ ملے تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس نے آخرت کے لیے کام کیا ہی نہیں ہے اور اگر بندہ طالبِ آخرت ہو، محنت بھی کرتا ہو اور پھر آخرت نہ ملے تو یہ تعجب کی بات ہے۔

طالبینِ آخرت کے لیے تین شرطیں:

تو اللہ نے باضابطہ بیان فرمایا ”وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ جو آخرت کے لیے کام کرے وہ تین باتوں کا خیال کرے۔

1: اس کی نیت ٹھیک ہونی چاہیے۔

2: عمل سنت کے مطابق ہو۔

3: عقیدہ اس کا ٹھیک ہونا چاہیے۔

اور آخر میں فرمایا ”كُلًّا مُّجْدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا“ کہ اے دنیا میں تیرے رب کی عطاء کا تعلق ہے، ہم ان دونوں گروہوں کا نوازتے ہیں، طالب دنیا کو بھی اور طالبینِ آخرت کو بھی۔ دنیا میں رزق طالب دنیا کو بھی ملتا ہے اور طالبِ آخرت کو بھی ملتا ہے۔ کھاتا یہ بھی ہے اور کھاتا وہ بھی ہے۔ لیکن جہاں تک آخرت کی عطاء اور نعمتوں کا تعلق ہے تو اللہ وہ صرف طالبِ آخرت کو دیں گے، جس نے ان کے لیے محنت بھی کی ہے۔ طالب دنیا کو صرف دنیا ملے گی اور طالبِ آخرت کو دنیا میں بھی سرفرازی ہوگی اور آخرت میں بھی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

تذکرۃ الفقہاء : ... مولانا محمد عاطف معاویہ

فقہ العراق سیدنا علقمہ بن قیس رحمہ اللہ علیہ

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے چند حضرات فقہاء کے تذکرہ کے بعد اب چند مشہور تابعین فقہاء کرام رحمہم اللہ کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے جو اپنے زمانے میں فقہ کے امام اور اجتہادی مسائل میں مسلمانوں کا مرجع اور نابغہ روزگار شخصیات تھے۔

آپ پہلی صدی کے مشہور محدث و فقہ تھے آپ کی ولادت حضور کے مبارک زمانہ میں ہو چکی تھی مگر آپ کو شرف صحابیت حاصل نہ ہوا تاہم آپ نے کبار صحابہ کی زیارت اور ان سے علوم حاصل کر کے تابعی ہونے کی سعادت حاصل کی اور تابعین کی مقدس جماعت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرمایا اور ان کے زمانہ کو خیر القرون کا زمانہ قرار دیا آپ مشہور محدث و فقہ امام ابراہیم غنمی کے ماموں اور امام اسود بن یزید کے چچا تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 39)

آپ نے حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام سے علوم حاصل کیے مگر آپ کا زیادہ تعلق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے تھا اس تعلق کو ایک جگہ یوں بیان کیا گیا ابن سعد آپ کے تذکرہ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود عادات و اخلاق میں حضور کے مشابہ تھے اور حضرت علقمہ عادات و اخلاق میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔

(الطبقات ج 6 ص 86)

سیدنا ابن مسعود اور سیدنا علقمہ رضی اللہ عنہما:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ نے علم فقہ اور علم تجوید حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا آپ کا شمار ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں ہوتا ہے ان کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں تک فرماتے ہیں:

مَا أَقْرَأُ شَيْئًا وَمَا أَعْلَمُ شَيْئًا إِلَّا وَعَلَقْمَةُ يَقْرُؤُهُ وَيَعْلَمُهُ.

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 39)

یعنی جو علوم اللہ نے مجھے حضور علیہ السلام کے واسطے سے دیے وہ سارے مجھ سے علقمہ نے سیکھ لیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کی عملی تصدیق کتب احادیث و رجال سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو جس طریقہ پر حضور نے تعلیم دی انہوں نے علقمہ کو اسی طریقہ پر پڑھایا چنانچہ تشہد کے متعلق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَلَّمَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ التَّشَهُدَ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ.

یعنی حضور مجھے تشہد قرآن کی سورت کی طرح سکھاتے تھے۔

(بخاری رقم الحدیث 6265 باب الاخذ بالیدین)

جب حضرت علقمہ رحمہ اللہ کی باری آئی تو امام اسود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ يَعْلَمُ عَلَقْمَةَ التَّشَهُدِ كَمَا يَعْلَمُهُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ

(الطبقات ج 6 ص 90)

میں نے اپنے آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ علقمہ کو قرآن کی سورت کی طرح تشہد سکھا رہے تھے۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگرد کو تشہد کی تعلیم دی تو صحابی رسول نے بھی اپنے شاگرد کو اسی طرح تعلیم

دی۔ گویا آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ تمام علوم حاصل کر لئے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے تھے آپ اپنے دور میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حقیقی علمی جانشین تھے اس وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

وقال أبو المثنى رباح إذا رأيت علقمة فلا يضرك أن لا تری عبد الله.

(تہذیب التہذیب ج 7 ص 245)

یعنی اگر کسی کو سیدنا علقمہ کی زیارت اور ان سے استفادہ کا موقع مل گیا تو اس کے دل میں یہ افسوس نہیں رہے گا کہ کاش میں ابن مسعود سے استفادہ کرتا۔

علمی مقام و مرتبہ:

حضرت امام ذہبی نے اپنی معروف کتاب تذکرۃ الحفاظ میں صحابہ کرام کے بعد جب تابعین کا تذکرہ کیا تو سب سے پہلے تابعین میں سے انتخاب حضرت علقمہ کا فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا علمی مقام کتنا بلند تھا۔ امام ذہبی نے ان کو ”فقہ العراق“ بھی قرار دیا ہے۔ علم تفسیر ہو یا حدیث یا علم فقہ آپ کا نام تمام علوم میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے آپ کی زیادہ شہرت علم فقہ میں ہے حضرت علقمہ کوفہ میں حضرت ابن مسعود کے علمی جانشین تھے ان کے علم کا یہ مقام تھا کہ بسا اوقات اصحاب پیغمبر بھی فقہی مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے۔

چنانچہ قابوس بن ابی ظبیان نے اپنے والد ابو ظبیان سے پوچھا ”لائی شیء کنت تدع الصحابة وتأتی علقمة؟ قال: أدركت ناساً من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وهم يسألون علقمة ويستفتونه.“ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 39)

کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت علقمہ رحمہ اللہ

سے مسائل کیوں پوچھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تم میری بات کرتے ہو میں نے تو صحابہ کو دیکھا کہ وہ حضرت علقمہ سے مسائل پوچھتے تھے۔

چند فقہی مسائل اور سیدنا علقمہ بن قیس:

قارئین کرام! مندرجہ بالا سطور میں آپ نے سیدنا علقمہ بن قیس رحمہ اللہ کا علمی مقام اور تفقہ فی الدین سمجھ لیا ہو گا کہ اللہ کریم نے ان کو کس قدر بلند رتبہ عطا فرمایا تھا۔ اب ذیل میں چند فقہی مسائل کے بارے میں ہم ان کے موقف اور نظریات کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

1: مسئلہ تین رکعات وتر:

اہل سنت والجماعت احناف کے ہاں وتر تین رکعات ہیں احادیث مرفوعہ و موقوفہ میں تین رکعات وتر کا ثبوت موجود ہے اس معاملہ میں سیدنا علقمہ بھی وتر کو تین رکعات قرار دیتے ہیں آپ کا فرمان ہے۔

الْوُتْرُ ثَلَاثٌ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 6900 ج 2 ص 264)

2: مسئلہ ترک قراۃ خلف الامام:

اگر آدمی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہو جاتی ہے مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ضرورت نہیں حضرت علقمہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے۔ ابراہیم خنقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما قرء علقمہ بن قیس قط فیما یجہر فیہ ولا فیما لا یجہر فیہ ولا فی الرکعتین الاخریین ام القرآن ولا غیرہا خلف الامام۔ (کتاب الآثار بروایت امام محمد ج 1 ص 163)

حضرت علقمہ نے سری اور جہری نماز کی کسی بھی رکعت میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ یا دوسری سورت کبھی نہیں پڑھی۔

آپ صرف ترک قرأت خلف الامام کے قائل ہی نہ تھے بلکہ قرأت کرنے والے کے متعلق یہاں تک فرماتے جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں مٹی یا انگارے ڈالنا مجھے پسند ہے۔

3: مسئلہ ترک رفع یدین:

آپ اپنے استاد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح صرف شروع نماز میں رفع یدین کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ کے متعلق روایات میں آتا ہے: اَكْمَهْمَا كَانَا يَرْفَعَانِ اَيْدِيَهُمَا اِذَا افْتَتَحَا، ثُمَّ لَا يَبْعُدَانِ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث 2468 ج 1 ص 237)

دونوں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ کوئی رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

4: مسجد میں دوسری جماعت کا مسئلہ:

جس مسجد کا امام مقتدی مقرر ہوں وہاں دوسری نماز کرنا درست نہیں حضرت علقمہ کا موقف بھی یہی تھا چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے آپ کے ساتھ حضرت علقمہ اور حضرت اسود بھی تھے مگر مسجد میں جماعت ہو چکی تھی یہ حضرات وہاں دوسری جماعت کرانے کی بجائے گھر میں گئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو نماز پڑھائی۔

(مصنف عبد الرزاق ج 2 ص 409 رقم الحدیث 3883)

اگر دوسری جماعت کرنا جائز ہوتا تو یہ تین فقیہ اسی مسجد میں جماعت کر دیتے۔

وفات:

امام ذہبی کے قول کے مطابق آپ 62ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 39)

فضائل اعمال پر اعتراضات کا علمی جائزہ

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ حدیث اور اصول حدیث کے خوگر تھے اس لیے وہ ”علم حدیث“ اور ”اصول حدیث“ کی باریکیوں سے بھی خوب خوب واقف تھے۔ قرآنی آیات، ذخیرہ احادیث، صحابہ کرام کے فتاویٰ اور محدثین کے قواعد و ضوابط جرح و تعدیل کے اقوال اور علماء اصولیین کے اصول وغیرہ آپ کی نظر میں ہمہ وقت رہتے اور آپ ان کی رعایت فرما کر اپنا تصنیفی و تالیفی کام کرتے تھے۔ حدیث کے موضوع پر آپ کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی متعدد عربی اور اردو کتب اس کا واضح ثبوت ہیں۔

کتب فضائل اعمال بھی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے انہی اصول و قواعد کو سامنے رکھ کر ترتیب دی ہیں لیکن جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث نے یہ رسائل فضائل اعمال عوام کی عقلی سطح ملحوظ رکھ کر لکھے ہیں۔ اس لیے اس میں عالمانہ مباحث اور تدقیقات سے اجتناب کیا ہے۔ چنانچہ کتب فضائل اور ان کے جوابات از شیخ الحدیث مولانا زکریا میں ہے:

فضائل کی روایات کے متعلق اصلاً یہ ذہن میں ہے کہ فضائل معمولی ضعف قابل اغتفار ہے (یعنی قابل معاف ہے۔ از ناقل) اس لیے جن روایات کو ذکر کیا گیا ہے ان میں اس اصول کی رعایت کی گئی ہے اور جن روایات پر کسی نے کلام کیا ہے اس کو ظاہر کر کے ضعیف کی دلیل بھی ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس چیز کا تعلق چونکہ عوام سے

نہیں تھا بلکہ اہل علم سے تھا اس لیے اس کو عربی میں لکھا گیا کہ عوام کے عقول (عقل کی جمع۔ از ناقل) سے یہ چیزیں بالاتر تھیں۔ (کتب فضائل پر اشکالات کے جوابات ص 39)

بعض معاصرین اور حاسدین کی تحریروں میں مختلف عنوانات سے ایک اعتراض کو بڑے شد و مد سے اچھالا گیا ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کو ذکر کیا ہے۔ گویا معترضین اس کو جرم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ آئیے ہم ضعیف حدیث کے حوالے سے محدثین کرام کا نقطہ نظر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا طرز محدثین کرام سے ہٹ کر نہیں بلکہ عین انہی کے مطابق ہے۔

سب سے پہلے ضعیف حدیث کی تعریف، اس پر عمل کی شرائط، چند محدثین کرام کی کتب حدیث کا تذکرہ ہے (جن میں ضعیف احادیث ہیں اور مسلمانوں کی کثیر تعداد اس سے فائدہ حاصل کر رہی ہے) اور ضعیف حدیث کا ضعف کب ختم ہوتا ہے؟ ہم یہ سب کچھ اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ ایک عام سادہ مسلمان جو دین کی بنیادی بنیادی باتوں سے بھی بے خبر ہے اس بیچارے کو ضعیف حدیث کا معنی کیا خاک آئے گا جبکہ آج کے اس فتنوں کے دور میں نام نہاد وہ لوگ بھی ضعیف حدیث کا معنی اور اس کا شرعی حکم نہیں جانتے جو خود اپنی نسبت حدیث کے نام سے جوڑے ہوئے ہیں۔ بے شمار لوگ بلکہ اردو خواں لوگوں کا بہت بڑا طبقہ تو ضعیف حدیث کو اردو والا ”ضعیف“ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ محدثین کرام کی خاص اصطلاح ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت آپ کے سامنے کی جاتی ہے۔

ضعیف حدیث کسے کہتے ہیں؟

خیر الاصول فی حدیث الرسول میں کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ

ہو ما اتی فی سندہ را ولا یحمل شرائط الصحیح والحسن

(خیر الاصول فی حدیث الرسول ص 9)

ترجمہ: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں حدیث صحیح و حسن کے شرائط نہ پائی جائیں۔
حدیث صحیح اور حدیث حسن کی شرائط کو مد نظر رکھتے ہوئے حدیث ضعیف کی تشریح یوں ہوگی کہ ضعیف حدیث وہ ہے:

- 1: جس کا راوی عادل نہ ہو یعنی اس پر جرح موجود ہو۔
- 2: جس کے راوی کا ضبط ناقص ہو مثلاً احادیث میں خلط کر دیتا ہے، حافظہ کمزور ہے۔ وغیرہ وغیرہ
- 3: سند میں انقطاع ہو یعنی سند کا راوی گرا ہوا ہو۔ [خیر القرون کا انقطاع حدیث نبوی خیر الناس قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم کی وجہ سے مقبول ہے]
- 4: اس حدیث میں کوئی پوشیدہ علت ہو جو عام لوگوں کی نظر سے اوچھل ہو، اسے صرف ماہر فن جانتا ہے۔
- 5: اس حدیث میں راوی اگرچہ ثقہ ہو لیکن ایک ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہے۔
- 6: حدیث کا راوی ضعیف ہو کر جماعت ثقہ کی مخالفت کرتا ہو۔
- 7: حدیث میں ایسا اختلاف پایا جائے جس کی تطبیق ممکن نہ ہو۔

☆ ان شقوں کو سمجھنے سے ضعیف حدیث کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

ضعیف حدیث پر عمل کی شرائط:

حافظ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے القول البدیع (ص: 159) میں حافظ

ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

1. یہ کہ ضعف غیر شدید ہو، چنانچہ وہ حدیث جس کی روایت تنہا کسی ایسے شخص کے واسطے سے ہو جو کذاب یا مُتَّمُّم بالکذب یا فاحش الغلط ہو، خارج ہوگی۔

(یعنی ضعف زیادہ نہ ہو، اس شرط کا فائدہ یہ ہے کہ ایسی احادیث جس کو کسی ایسے شخص نے اکیلے روایت کیا جو جھوٹ بولتا ہو، یا اس پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہو یا وہ حدیث روایت کرنے میں بڑی بڑی غلطیاں کرتا ہو، وہ حدیث ضعیف قابل عمل نہیں ہوگی۔)

2. اس کا مضمون قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ کے تحت آتا ہو چنانچہ وہ مضمون خارج از عمل ہو گا جو محض اختراعی ہو، اصول شرعیہ میں سے کسی اصل سے میل نہ کھاتا ہو (ظاہر ہے اس کا فیصلہ جلیل القدر فقہاء اور محدثین کرام ہی کر سکتے ہیں ہر شخص کے بس کی بات نہیں)

3. اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے (یعنی اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ سمجھا جائے) بلکہ صرف قواعد شرعیہ کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے اس کے ثواب کی امید کی جائے، اور حدیث ضعیف کو محض تائید کے درجے میں مانا جائے مبادا آل حضرت کی جانب ایک بات جو واقع میں آپ نے نہ فرمائی ہو، اس کا آپ کی طرف منسوب کرنا لازم آجائے۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اس میں ایک اور شرط کا اضافہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ کہ اس مسئلہ کے متعلق اس سے قوی دلیل معارض موجود نہ ہو۔ پس اگر کوئی قوی دلیل کسی عمل کی حرمت یا کراہت پر موجود ہو اور یہ ضعیف اس کے جوازی استحباب کی متقاضی ہو تو قوی کے مقتضایہ پر عمل کیا جائے گا۔

نوٹ: امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح البخاری میں باب ما ذکر عن بنی اسرائیل رقم الحدیث 3461 کے تحت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج۔ بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معلوم ہوا جب بنی اسرائیل سے روایت کر سکتے ہیں تو پھر ضعیف احادیث ذکر کرنا کیوں غلط ہوگا؟

فضائل اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل:

جلیل القدر محدثین کرام کے ہاں کسی عمل کی فضیلت کو ثابت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے، کسی نیک کام کی ترغیب اور برے کام سے روکنے کے لیے، وعظ و نصیحت کے لیے، واقعات کو بیان کرنے کے لیے ضعیف حدیث کو مندرجہ بالا چند شرائط کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے اور ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہوتا ہے۔ اختصار کے ساتھ چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

1: مجموع الفتاویٰ کا حوالہ ::

✽ إِذَا جَاءَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ شَدَّدْنَا فِي الْأَسَانِيدِ، وَإِذَا جَاءَ التَّرْغِيبُ وَالتَّوْهِيبُ تَسَاهَلْنَا فِي الْأَسَانِيدِ، وَكَذَلِكَ مَا عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ فِي فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ. (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ: ج 18، ص 65)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ [م 241ھ] فرماتے ہیں: جب حلال و حرام کا معاملہ آن پڑے تو ہم احادیث کی اسانید کی چھان پھٹک میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب ترغیب و تروہیب کا باب ہو تو اسانید کی تحقیق میں تساہل برتتے ہیں اسی طرح ہمارا موقف ضعیف احادیث پر عمل کے بارے میں وہی ہے جو دیگر علماء کرام کا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا درست ہے۔

2: المستدرک علی الصحیحین کا حوالہ:

✽ إِذَا رَوَيْنَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ وَالْأَحْكَامِ شَدَّدْنَا

فی الأسانید و انتقدنا الرجال و إذا روينا في فضائل الأعمال و الثواب و العقاب و المباحات و الدعوات تساهلنا في الأسانيد.

(المستدرک للحاکم: ج 1 ص 490)

ترجمہ: امام حاکم رحمہ اللہ امام عبد الرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: جب ہم حلال و حرام ار احکام سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدت اختیار کرتے ہیں اور رجال کی تحقیق میں خوب تفتیش سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل اعمال، ثواب و عقاب، مباحات اور دعاؤں کی احادیث بیان کرتے ہیں تو تساہل سے کام لیتے ہیں۔

3: الکفایۃ فی علم الروایۃ کا حوالہ:

❖ قال ابو زكريا يحيى بن محمد العنبري: الخبر إذا ورد لم يحرم حلال ولم يحل حراماً ولم يوجب حكماً وكان في ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص وجب الاغماض عنه والتساهل في روايته. (الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص 213)

ترجمہ: امام حافظ ابو زکریا العنبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر حدیث ترغیب، ترہیب میں شدت یا رخصت کے باب میں مروی ہو تو اس کے راویوں کی چھان پھٹک اور اسانید کے جرح و تعدیل میں چشم پوشی سے کام لے کر تساہل اختیار کیا جاتا ہے۔

4: کتاب الاذکار کا حوالہ:

❖ قال الامام النووي رحمه الله في كتاب الاذکار: قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم رحمهم الله: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً. وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون في احتياط في شيء من ذلك، كما إذا

ورد حدیث ضعیف بکراہۃ بعض البیوع أو الأنکحة، فإن المستحب أن
یتنزه عنه ولكن لا یجب۔ (کتاب الاذکار: ص 8)

ترجمہ: امام نووی رحمہ اللہ [م 676ھ] فرماتے ہیں: محدثین فقہاء نے کہا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو جہاں تک حلال و حرام، بیع، نکاح اور طلاق وغیرہ جیسے احکام کا تعلق ہے تو ان میں حدیث صحیح اور حسن کے بغیر عمل نہیں کیا جائے گا ہاں مگر یہ کہ اس میں سے کسی معاملہ میں احتیاط مطلوب ہو جیسے بعض بیوع اور نکاحوں میں کراہت کے بارے میں کوئی ضعیف حدیث ہو تو مستحب یہ ہے کہ اس سے بچا جائے لیکن یہ واجب نہیں۔

5: المجموع للنووی کا حوالہ:

❖ قال الامام النووی: وقد قدمنا اتفاق العلماء على العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال دون الحلال والحرام۔ (المجموع للنووی ج 3 ص 218)

ترجمہ: امام نووی رحمہ اللہ (م 676ھ) فرماتے ہیں: ہم پہلے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ فضائل اعمال میں تو ضعیف حدیث پر عمل کرنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ حلال و حرام کے معاملے میں نہیں۔

6: تبیین العجب کا حوالہ:

❖ وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی؛ اشتهر ان اهل العلم یتسامعون فی ایراد الاحادیث فی الفضائل وان کان فیہا ضعف مالم تکن موضوعة۔

(تبیین العجب بماورد فی شہر رجب: ج 1 ص 2)

ترجمہ: امام ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ (م 852ھ) فرماتے ہیں: اہل علم (محدثین کرام) کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل

کیا جائے گا، موضوع حدیث پر نہیں۔

7: فتح القدیر کا حوالہ:

❖ قال الإمام ابن الهمام: الاستحباب يثبت بالضعيف غير الموضوع.

(فتح القدیر ج 2 ص 133)

ترجمہ: امام ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (م 861ھ) فرماتے ہیں: کسی عمل کا مستحب ہونا ضعیف حدیث سے ثابت ہو جاتا ہے موضوع حدیث سے نہیں۔

8: کشف القناع کا حوالہ:

❖ قال الجلال الدين المحلى؛ انه روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من طرق في تاريخ ابن حبان وغيره وان كانت ضعيفة للعمل بالحديث الضعيف في الفضائل الاعمال.

(كشف القناع ج 1 ص 103)

ترجمہ: امام جلال الدین محلی رحمہ اللہ (م 864ھ) [ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد] فرماتے ہیں: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تاریخ ابن حبان وغیرہ میں دوسری اسناد سے بھی مروی ہے اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔

9: القول البدیع کا حوالہ:

❖ وقال الحافظ السخاوي فيحصل ان في الضعيف ثلاثة مذاهب..... ثالثها هو الذي عليه الجمهور يعمل به في فضائل الاعمال دون الاحكام كما تقدم بشرطه.

(القول البدیع فی الصلاة علی الجیب الشفیع: ص 256)

ترجمہ: امام حافظ شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (م 902ھ) فرماتے ہیں: حاصل کلام یہ ہے کہ ضعیف حدیث کے بارے میں تین

مذہب ہیں..... تیسرا مذہب (جمہور محدثین جس کے قائل ہیں، وہ یہ ہے کہ) فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر اس کی شرائط کے ساتھ عمل کیا جائے گا، احکام میں نہیں۔

10: الفتح المبین کا حوالہ:

❖ وقال الإمام ابن حجر الهيتمي: اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال۔ (الفتح المبين شرح الاربعين ص 32)

ترجمہ: امام ابن حجر، ہیتمی رحمہ اللہ (م 974ھ) فرماتے ہیں: علماء محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

11: مرعاة المفاتيح کا پہلا حوالہ:

❖ وقال العلامة على القارى: وقد اتفق الحفاظ على جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الاعمال۔ (المرقاة: ج 2 ص 183)

ترجمہ: امام ملا علی قاری رحمہ اللہ (م 1014ھ) فرماتے ہیں: حفاظ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

12: مرعاة المفاتيح کا دوسرا حوالہ:

❖ وقال العلامة على القارى: ومن المقرر ان الحديث الضعيف يعمل به في فضائل الاعمال۔ (المرقاة: ج 2 ص 94)

ترجمہ: امام ملا علی قاری رحمہ اللہ (م 1014ھ) فرماتے ہیں: پکی بات ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

13: الفتوحات الربانية کا حوالہ:

❖ وقال الإمام محمد ابن علان الصديقي: ويبقى للعمل بالضعيف شرطان: أن يكون له أصل شاهد لذلك كاندراجة في عموم أو قاعدة كلية، وأن لا يُعتقد

عند العمل به ثبوته بل يُعتقد الاحتياط - (الفتوحات الربانية: ج 1 ص 84)

ترجمہ: امام محمد ابن علان صدیقی رحمہ اللہ (م 1057 ھ) فرماتے ہیں: ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی دو شرطیں ہیں: پہلی یہ کہ اس کی کوئی اصل موجود ہو اور وہ کسی قاعدہ کلیہ کے تحت بھی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس کے ثبوت کا نظریہ نہ رکھا جائے بلکہ احتیاط کا پہلو ذہن میں رکھا جائے۔

14: الاجوبۃ الفاضلۃ کا حوالہ:

❖ قال عبدالحیى الکنوى رحمہ اللہ: فان الحديث الضعیف معتبر فی فضائل الاعمال عند جمیع العلماء من ارباب الکمال - (الاجوبۃ الفاضلۃ ص 37)

ترجمہ: علامہ عبدالحیٰ لکھنوی رحمہ اللہ (م 1204 ھ) فرماتے ہیں: ارباب علم و دانش اور اصحاب فضل و کمال تمام علماء محدثین فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کا اعتبار کرتے ہیں یعنی اس کو معتبر مانتے ہیں۔

15: حواشی الشروانی کا حوالہ:

❖ ان الحديث الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال - (حواشی الشروانی ج 1 ص 52)

ترجمہ: شیخ عبد الحمید المکی الشروانی رحمہ اللہ (م 1301 ھ) فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

16: انموذج العلوم کا حوالہ:

محقق جلال الدین دوانی رحمہ اللہ ”انموذج العلوم“ میں رقم طراز ہیں:

❖ اتفقوا علی ان الحديث الضعیف لا تثبت به الاحکام الشرعیہ ثم ذکرُوا انه یجوز بل یتحب العمل بالاحادیث الضعیفة فی فضائل الاعمال -

(بحوالہ قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص 75)

ترجمہ: محدثین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے پھر محدثین ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ پر عمل کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

17: محاضرہ کا حوالہ:

☆ وقال الشيخ صالح بن عبدالعزيز آل الشيخ أما في فضائل الأعمال فيجوز أن يستشهد بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال۔ (محاضرة بعنوان وصايا عامة)
ترجمہ: شیخ صالح بن عبدالعزیز آل شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا جائز ہے۔

18: تیسیر مصطلح الحدیث کا حوالہ:

☆ وقال الشيخ محمود الطحان يجوز عند أهل الحديث وغيرهم رواية الأحاديث الضعيفة والتساهل في أسانيدها من غير بيان ضعفها۔

(تیسیر مصطلح الحدیث: ج 1 ص 33)

ترجمہ: محمود طحان فرماتے ہیں: ضعیف احادیث کو روایت کرنا اور ان کی اسناد میں نرمی والا پہلو اختیار کرنا یعنی ضعف کو بیان نہ کرنا محدثین کرام کے ہاں جائز ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے محدثین اور فقہاء کے اس اتفاق کو نقل کیا ہے کہ وہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کو قبول کیا جاتا ہے۔ یہی نظریہ دیگر کبار محدثین کرام کا بھی ہے چند محدثین کے نام ذیل میں درج ہیں۔

امام طیبی، امام سراج الدین البلقینی، امام ابن جماعہ، حافظ زین الدین ابو الفضل العراقی اور امام ابن دقین العید رحمہم اللہ بلکہ آج کے دور کے سلفی علماء کی کتب سے ان کا نظریہ بھی یہی ملتا ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ فضائل اعمال اور

ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کو قبول کیا جاتا ہے اور اس پر چند شرائط کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے: مثلاً شیخ بن باز، شیخ صالح الفوزان، شیخ صالح آل الشیخ، شیخ علی حسن الجلی اور شیخ صالح اللحیدان وغیرہ۔

چند محدثین اور ان کی کتب کا تذکرہ:

قارئین کرام! چونکہ صفحات کا دامن تنگ ہے اس لیے ہم تفصیل کی بجائے اختصار کے ساتھ ذیل میں ہم چند جلیل القدر محدثین کرام رحمہم اللہ کی ایسی کتب کا تذکرہ کرتے ہیں، جن میں ضعیف احادیث اچھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

کتب کا نام	مصنف کا نام	ضعیف احادیث کی تعداد
کتاب السنۃ	حافظ ابو بکر الضحاک متوفی 287ھ	298
کتاب السنۃ	امام احمد بن محمد حنبل متوفی 290ھ	303
صحیح ابن خزیمہ	امام ابن خزیمہ متوفی 311ھ	352
صحیح ابن حبان	امام ابو حاتم محمد بن حبان م 354ھ	294
کتاب الشریعہ	امام ابی بکر الآجری متوفی 360ھ	657
المستدرک	امام حاکم متوفی 405ھ	907
الاسماء والصفات	حافظ ابی بکر البیہقی متوفی 458ھ	329
الاحادیث المختارہ	ضیاء الدین المقدسی م 643ھ	606
خلاصۃ الاحکام	امام نووی متوفی 676ھ	654
کتاب المنقذ	امام ابن تیمیہ متوفی 728ھ	262
بلوغ المرام	حافظ ابن حجر عسقلانی م 852ھ	117

اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے چند محدثین کرام اور ان کی کتابوں کے

نام ذکر کیے ہیں ورنہ اہل علم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ سینکڑوں نامور محدثین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں وعظ و نصیحت، ترغیب و ترہیب اور فضائل اعمال میں ضعیف احادیث ذکر فرماتے ہیں۔ بلکہ امیر المومنین فی الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے بھی صحیح بخاری کے علاوہ اپنی دیگر کتب میں ضعیف احادیث لائے ہیں۔ مثلاً جرز رفع الیدین، جزء القراۃ، الادب المفرد، تاریخ کبیر اور خلق افعال العباد وغیرہ۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فضائل اعمال میں ایک مقام پر ذکر فرماتے ہیں: اس امر پر تنبیہ بھی ضروری ہے کہ حضرات محدثین رضی اللہ عنہم اجماع کے نزدیک فضائل کی روایات میں توسع ہے اور معمولی ضعف قابل تسامح۔ باقی صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے واقعات تو تاریخی حیثیت رکھتے ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ تاریخ کا درجہ حدیث کے درجہ سے کہیں کم ہے۔

(فضائل اعمال ص 384 / فضائل نماز ص 96)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: البتہ بعض روایات پر ضعیف کا حکم لگایا گیا ہے مگر اول تو فضائل اعمال میں ایسی روایات کو جائز قرار دیا ہے۔

(کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات مکتوب نمبر 32 کا جواب)

اس بحث میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے فتویٰ کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔ فتاویٰ عثمانی میں ہے:

سألتهم عن رأي الحنفية في قبول الاحاديث الضعيفة في فضائل الاعمال وما ذكر الامام اللكنوي رحمه الله تعالى من ثلاثه شروط لقبول الحديث الضعيف، فهو المختار عند جمع كبير من الحنفية ومن اهم هذه الشروط ان الحديث الضعيف لا يثبت به حكم جديد، حتى الاستحباب على سبيل الاحتم

وانما معنی قبولہ ان یتاکد بہ حکم ثبت سابقاً بنص صحیح او حسن او ان یعمل بہ علی سبیل الاحتیاط و الاحتمال دون الحتم بالقول بسنیتہ او استحبابہ وهناك جمع من العلماء الحنفیة یقبلون الحدیث الضعیف حتی لاثبات حکم جدید فی الفضائل۔ وان مشائخی الذین شرفنی اللہ بالتلمذ علیہم کانوا یختارون الرأی الاول فمثلاً حدیث صوم السابع والعشرین من رجب لم یثبت فی حدیث صحیح ولذا لک انکر الشیخ اشرف علی التہانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سنیۃ هذا الصوم واستحبابہ ولكن اجاز ان یصوم احد علی سبیل احتمال الاستحباب۔

اما اذا تأید الحدیث الضعیف بتعامل العلماء فانه یمکن عند الحنفیة ان یثبت لہ حکم جدید۔ (فتاویٰ عثمانی ج 1 ص 230 فتویٰ نمبر 64/347)

ترجمہ: آپ نے ضعیف احادیث کو فضائل اعمال میں قبول کرنے کے متعلق احناف کی رائے پوچھی ہے، سو عرض ہے کہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے ضعیف حدیث کو قبول کرنے کی بارے میں جو تین شرائط ذکر کی ہیں یہی احناف کے بڑے بڑے ائمہ کے نزدیک مختار مذہب ہے۔ منجملہ ان شرائط میں سے اہم شرط یہ ہے ضعیف حدیث سے کوئی نیا حکم ثابت نہیں ہوتا حتیٰ کہ یقینی طور پر استحباب بھی ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا ضعیف حدیث کو قبول کرنے کا مطلب محض یہ ہوتا ہے کہ جو حکم پہلے سے صحیح یا حسن دلیل ثابت ہے ضعیف حدیث کا وہ حکم مزید پختہ ہو جاتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ درجہ احتیاط اور احتمال میں ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ حتیٰ طور پر اس کی سنت یا استحباب کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حنفی علماء کی ایک بڑی جماعت ایسی ہے جو ضعیف حدیث کو قبول کرتے ہیں حتیٰ کہ فضائل میں نئے حکم کو ثابت بھی کرنے کے لیے بھی قبول کرتے ہیں لیکن جن اکابر کا شرف تلمذ اس بندہ کو حاصل ہے انہوں پہلی رائے کو اختیار کیا ہے۔ مثال کے طور پر ستائیس رجب کا روزہ کسی صحیح حدیث میں ثابت نہیں اسی وجہ

سے شیخ مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس روزے کی سنت یا مستحب ہونے کا انکار کرتے ہیں لیکن استحباب کے احتمال کی وجہ سے اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

ہاں اگر حدیث ضعیف علماء امت کے تعامل کے ساتھ مل جائے تو ممکن ہے حنفیہ کے ہاں اس سے حکم جدید ثابت ہو جائے۔ جیسے 15 شعبان کے دن صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت سے متعلق احادیث اور اس کی مثالیں اس کے علاوہ اور بہت ہی ہیں۔

ضعیف حدیث اور مویدات:

محدثین، ائمہ جرح و تعدیل اور ماہرین اصول حدیث کا ایک ضابطہ ہے کہ کسی ضعیف حدیث میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اگر دیگر روایات میں بھی آجائے تو اس سے اس کے مضمون کی تائید ہو جاتی ہے اور اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

1: علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ (م 861ھ) لکھتے ہیں: فَهَذِهِ عِدَّةُ أَحَادِيثَ لَوْ كَانَتْ ضَعِيفَةً حُسْنِ الْهَيْئِ فَكَيْفَ وَمِنْهَا مَا لَا يَنْزِلُ عَنِ الْحَسَنِ۔ (فتح القدیر: ج 1 ص 172) ترجمہ: یہ چند احادیث ہیں، اگر ضعیف بھی ہوں تب بھی اس کا متن حسن درجے کا ہے اور یہ کیوں نہ ہو کہ اس میں بعض وہ روایات بھی ہیں جو درجہ حسن کے کم درجہ کی نہیں ہیں۔

2: حافظ عبد الوہاب شعرانی رحمہ اللہ (م 973ھ) فرماتے ہیں: وقد احتج جمهور المحدثين بالحديث الضعيف اذا كثرت طرقه والحقوه بالصحيح تارة والحسن اخرى۔ (الميزان الكبير: ج 1 ص 68)

ترجمہ: جمہور محدثین نے ضعیف حدیث سے استدلال کیا ہے جب اس کئی طرق ہوں اور کبھی اس کو صحیح اور کبھی حسن کے ساتھ ملایا ہے۔

3: علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م 774ھ) فرماتے ہیں: قال الشيخ أبو عمر: لا

یلزم من ورود الحديث من طرق متعددة أن يكون حسناً، لأن الضعف يتفاوت، فمنه ما لا يزل بالمتابعات، یعنی لا يؤثر كونه تابعاً أو متبوعاً، كرواية الكذابین والمتروکین، ومنه ضعف یزل بالمتابعة، كما إذا كان راویه سىء الحفظ، أو روى الحديث مرسلًا فإن المتابعة تنفع حينئذ ویرفع الحديث عن حضيض الضعف إلى أوج الحسن أو الصحة.

ترجمہ: شیخ ابو عمرو فرماتے ہیں: حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو وہ ہمیشہ حسن نہیں ہوتی کیونکہ ضعف میں فرق ہوتا ہے۔ بعض ضعیف ایسے ہوتے ہیں جو متابعات سے زائل نہیں ہوتے یعنی اس کا تابع یا متبوع بنانا نفع نہیں ہوتا جیسے کذابین اور متروکین کی روایات، اور بعض ضعف ایسے ہوتے ہیں جو متابعات سے زائل ہو جاتے ہیں جیسے روایت کے راوی کا حافظہ کے اعتبار سے کمزور ہونا یا حدیث کو مرسل نقل کرنا، تو اس وقت متابعت نفع دے گی اور حدیث درجہ ضعف سے حسن درجہ تک پہنچ جائے گی۔

ساری بحث سے معلوم ہوا کہ ضعیف حدیث کو ترغیب و ترہیب کے وقت اور فضائل اعمال میں ذکر کر سکتے ہیں۔ بالخصوص جب اس مضمون کی دیگر روایات میں تائید بھی موجود ہو۔ یہی بات ہم نے شروع میں کہی تھی کہ چونکہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ علم حدیث اور اصول حدیث سے بخوبی واقف تھے تو انہوں نے بھی اپنی کتاب میں اس کو ذکر کیا ہے۔

قارئین کرام! ضعیف حدیث کے متعلق بنیادی بنیادی باتیں آپ نے ملاحظہ فرمالیں ہیں ان شاء اللہ آئندہ چند صفحات میں ہم ان شاء اللہ اولیاء کرام کے واقعات کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالیں گے۔

(جاری ہے)

مول بن اسماعیل

جرح وتعدیل کے آئینہ میں

..... مفتی محمد یوسف

مکرین فقہ جب نماز ادا کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ سینے پر باندھتے ہیں جبکہ مسنون طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ہے۔ مکرین فقہ نام نہاد اہل حدیث حضرات کے اس عمل کو ثابت کرنے کی سب سے وزنی اور مضبوط دلیل صحیح ابن خزمہ کی ایک روایت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی مذکورہ روایت میں ایک راوی مول بن اسماعیل ہے جس کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل اور محدثین کرام کا نظریہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ اسی بارے میں آئندہ سطور ایک تحقیقی بحث آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔

راویوں پر جرح وتعدیل اور احادیث کی تصحیح وتضعیف کا تعلق خالص اجتہادی رائے کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کو ثقہ وقابل اعتماد قرار دینا یا کسی کو مجروح وغیر معتبر ٹھہرانا نہ تو قرآن کریم میں ہے نہ ہی احادیث مبارکہ میں۔ اسی طرح ذخیرہ احادیث میں سے کسی کو صحیح، کسی کو ضعیف، کسی کو حسن، اور کسی کو منکر قرار دینے کا فیصلہ بھی قرآن وحدیث میں قطعاً نہیں ہے۔ ایسے امور کا تعلق مجتہدین کے اجتہاد اور ان کے غور وفکر کے ساتھ ہے۔ اس پر دو شہادتیں ملاحظہ فرمائیں۔

1: علامہ ابوالولید الباجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

احوال المحدثین فی الجرح والتعدیل مما یدرک بالاجتہاد ویعلم بضرب من النظر. (التعدیل والتجرح ج 1 ص 280 باب معرفۃ الجرح والتعدیل)

جرح وتعدیل کے باب میں محدثین کے احوال اجتہاد اور غور وفکر کے

ذریعے معلوم کیے جاتے ہیں۔

2: علامہ ابن عبدالقادر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان عبارات الجرح والتعديل اجتہادیۃ۔ (امداد المنعم شرح الصحیح المسلم ج 1 ص 2067)

جرح وتعدیل کے اقوال اجتہادی ہیں۔

اب وہ لوگ جو اجتہاد کو نیا دین قرار دیتے ہیں ان کے لیے یہ مقام فکر ہے کہ ایسے مواقع پر جہاں راویوں کی جرح وتعدیل کا معاملہ پیش آجائے تو ان کے پاس نہ تو قرآن کریم کی کوئی آیت موجود ہوتی ہے کہ فلاں راوی ثقہ ہے یا ضعیف اور نہ ذخیرہ احادیث میں سے کوئی حدیث مبارک ان کا ساتھ دیتی ہے کہ فلاں روایت میں فلاں راوی ثقہ ہے یا ضعیف۔

اب آگے دو راستے ہیں کہ ہر طرح کی روایت کو صحیح مان لیں خواہ وہ ضعیف ہو خواہ منکر ہو، معطل ہو، شاذ وغیرہ ہو یا پھر ہر طرح کی روایت کا انکار کر دیں بھلے وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ جب تک ”امتی کی بات“ کو نہیں مانیں گے اس وقت تک ان کی یہ پریشانی ختم نہیں ہو سکتی۔ یعنی اجتہاد کو ماننا ان کی مجبوری ہے۔ اہل حدیث کے دو اصول: فرمان خدا فرمان رسول والا نعرہ کھوکھلا ہو جاتا ہے۔

خیر! اس وقت ہمارے پیش نظر صحیح ابن خزیمہ کی ایک روایت ہے: عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ۔“ (صحیح ابن خزیمہ ج 1 ص 272)

ترجمہ: حضرت وائل حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر اپنے سینے کے اوپر رکھا۔

نام نہاد اہل حدیثوں کے نزدیک ”نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے“ سے متعلق یہی روایت سب سے زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ اسی روایت کو انہوں نے صحیح مرفوع متصل غیر معلل اور غیر شاذ قرار دیا ہے۔

چنانچہ فرقہ غیر مقلدین کے اپنے مستند ”فتاویٰ علمائے حدیث“ میں واضح الفاظ میں مرقوم ہے: ”علمائے اہلحدیث نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی حدیث ان کے نزدیک صحیح مرفوع متصل غیر معلل اور غیر شاذ ہے جو صحیح ابن خزیمہ میں بلفظ موضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ مروی ہے۔“ (فتاویٰ علمائے حدیث ج 3 ص 91)

معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث ان کے نزدیک سب سے مضبوط ترین دلیل ہے مگر افسوس کہ ان کی یہ مضبوط ترین دلیل حقیقت میں نہایت کمزور ترین ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ”مؤمل بن اسماعیل“ ہے جسے محدثین نے سخت ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ مگر نام نہاد اہل حدیثوں نے ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین کرام کی اس تحقیق پر عدم اعتماد کا اعلان کرتے ہوئے اور خلاف اصول طریقے سے مؤمل بن اسماعیل کی ثقہ و صدوق، قابل اعتماد و معتبر ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ راوی مؤمل بن اسماعیل کو زبردستی ثقہ ثابت کرنے والوں میں زبیر علی زئی کا بڑا کارنامہ ہے۔ موصوف نے اپنے ایک رسالہ ”نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام“ میں باقاعدہ ایک عنوان قائم کر کے مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ ثابت کرنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔ اس سے انہیں مؤمل کی ذات سے کوئی ہمدردی نہیں بلکہ دراصل اپنے مخصوص نظریہ ”سینے پر ہاتھ باندھنا“ کو سہارا دینا مقصود و مطلوب ہے۔

ذیل میں ہم مؤمل کے بارے میں محدثین کرام کی آراء پیش کرتے ہیں۔ مگر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صرف مؤمل کی بات نہ کی جائے بلکہ اس کے ساتھ مؤمل کے شیخ محدث سفیان ثوری رحمہ اللہ اور شیخ الشیخ عاصم بن کلیب رحمہ اللہ کا ذکر خیر بھی کر دیا جائے۔ تاکہ یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ خود نام نہاد اہل حدیث حضرات کی نظر میں مؤمل اور ان کے شیوخ کی کیا وقعت اور حیثیت ہے؟

مؤمل بن اسماعیل محدثین کی نظر میں:

- 1: امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب میزان الاعتدال میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں فرمایا یہ ”منکر الحدیث“ ہے۔ (میزان الاعتدال ج 4 ص 417)
- 2: امام ذہبی رحمہ اللہ اپنی دوسری کتاب المغنی فی الضعفاء میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں فرمایا یہ ”منکر الحدیث“ ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج 2 ص 446)
- 3: امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں فرمایا یہ ”منکر الحدیث“ ہے۔

(تہذیب التہذیب ج 6 ص 489)

- 4: امام مزی رحمہ اللہ اپنی کتاب تہذیب الکمال میں امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں فرمایا یہ ”منکر الحدیث“ ہے۔ (تہذیب الکمال ج 10 ص 211)

امام بخاری کا ضابطہ:

ابن قطان رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ارشاد فرماتے

ہیں: کل من قلت فيه منكر الحديث فلا تحل الرواية عنه یعنی جس راوی کو میں ”منکر الحدیث“ قرار دے دوں اس سے روایت لینا حلال (جائز) نہیں۔

(میزان الاعتدال ج 1 ص 50)

معلوم ہوا کہ خود امام بخاری کے نزدیک بھی مؤمل بن اسماعیل سے روایت لینا جائز نہیں۔ بات بات پر بخاری کا نام لینے والوں کو امام بخاری رحمہ اللہ کا مذکورہ ضابطہ دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

5: علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”حافظ عالم یخطی“ کہ یہ مؤمل حافظ و عالم تو تھا مگر غلطی کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال ج 4 ص 417)

ملفوظ: علامہ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں اپنا نظریہ نقل کرنے کے بعد اسی سے ایک منکر روایت بھی ذکر کی ہے جس سے ثابت ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مؤمل بن اسماعیل کو ”منکر الحدیث“ قرار دینا بالکل بجائے۔

6: ابابوزرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”فی حدیثہ خطا کثیر“

(میزان الاعتدال ج 4 ص 417)

نوٹ: یہ امام ابوزرہ وہی ہیں جنہیں نام نہاد اہل حدیثوں کے محقق زبیر علی زئی نے اپنی کتاب ”نور العینین“ کے ص 144 پر جرح و تعدیل کے معاملے میں ”انتہائی معتدل“ قرار دیا ہے۔

7: امام یعقوب بن سفیان رحمہ اللہ مؤمل بن اسماعیل کی توصیف بیان کرنے کے بعد بطور تنبیہ فرماتے ہیں: وقد یجب علی اهل العلم ان یقفوا عن حدیثہ فأنہ یروی المناکیر عن ثقات شیوخہ وهذا اشد فلو كانت هذه المناکیر عن الضعفاء لکننا نجعل له عذراً۔ (تہذیب التہذیب ج 6 ص 490)

ترجمہ: اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مؤمل کی حدیث لینے سے رک جائیں۔ کیونکہ مؤمل ثقہ اساتذہ و مشائخ سے منکر روایات نقل کرتا ہے اور یہ (یعنی ثقہ مشائخ سے منکر روایات نقل کرنا) سخت قسم کا عیب ہے۔ ہاں اگر یہ مؤمل ضعیف و کمزور مشائخ سے منکر روایات بیان کرتا ہے تب ہم اسے کسی نہ کسی عذر پر محمول کر لیتے۔

8: علامہ محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: المؤمن اذا انفرد بحديثه وجب ان يتوقف ويثبت فيه لانه كان سيئ الحفظ كثير الغلط۔

(تہذیب التہذیب ج 6 ص 490)

ترجمہ: مؤمل جب کسی حدیث میں اکیلا ہو تو اس روایت میں توقف کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کا حافظہ خراب تھا اور یہ بہت زیادہ غلطیاں کیا کرتا تھا۔

9: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وكذلك مؤمل بن اسماعيل في حديثه عن الثوري ضعف۔ (فتح الباری ج 9 ص 297)

ترجمہ: مؤمل کی جو روایت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے واسطے سے ہوگی وہ ضعیف ہوگی۔
نوٹ: واضح رہے کہ زیر بحث روایت بھی مؤمل نے اپنے شیخ سفیان ثوری رحمہ اللہ کے واسطے سے بیان کی ہے۔

مؤمل بن اسماعیل خود غیر مقلدین کی نظر میں:

1: غیر مقلدین کے محقق جناب ناصر الدین البانی لکھتے ہیں: اسنادہ ضعیف،

لان مؤملا وهو ابن اسماعيل سيئ الحفظ۔ (صحیح ابن خزیمہ ج 1 ص 272، حاشیہ 479)

ترجمہ: اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیوں کہ مؤمل بن اسماعیل کا حافظہ خراب تھا۔

نوٹ: یاد رہے کہ یہ وہی البانی صاحب ہیں جنہیں نام نہاد اہل حدیث عالم زبیر علی زئی نے ”مشہور محدث اور شیخ“ کے لقب سے یاد کیا ہے اور ان کی تحقیق کو بطور حجت

پیش کیا ہے۔ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص 41)

2: غیر مقلدین کے عالم عبدالرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں: جس روایت کے اندر مؤمل ہو وہ ضعیف ہوتی ہے۔ (ابکار المنن ص 109 بحوالہ معیار رد و قبول مولانا غازی پوری)

3: غیر مقلد عالم ابو عبد السلام عبد الرؤف بن عبد الحنان لکھتے ہیں: یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سیعی الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (2/290) میں کہا ہے۔ ابو زرہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، ذہبی نے کہا ہے یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔

(القبول المقبول فی شرح و تعلیق صلوٰۃ الرسول ص 340)

محدث سفیان ثوری رحمہ اللہ علی زئی کی نظر میں:

زبیر علی زئی کا اپنا تاثر سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں یہ ہے: سفیان ثوری رحمہ اللہ (جو کہ ضعیف و مجاہل سے تدلیس کرتے تھے) کی یہ معنعن (عن والی) روایت ضعیف ہے... جناب سفیان ثوری رحمہ اللہ غضب کے مدلس تھے۔

(نور العینین ص 127)

زبیر علی زئی دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں: واضح رہے کہ ثقہ مدلس کی روایت بخاری و مسلم کے علاوہ ”عن“ کے ساتھ ہو تو ضعیف ہوتی ہے۔

(تسہیل الوصول الی تخریج و تعلیق صلوٰۃ الرسول ص 210)

عاصم بن کلیب غیر مقلدین کی نظر میں:

تیسرے راوی عاصم بن کلیب رحمہ اللہ کے بارے میں بھی غیر مقلدین تردد و اختلاف کا شکار ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

معروف غیر مقلد عالم عبدالرحمن خلیق اپنی کتاب میں ایک حدیث پر جرح

کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اس سند میں ایک راوی عاصم بن کلیب ہے، باتفاق کبار محدثین سخت درجہ کا ضعیف ہے۔ (بارہ مسائل ص 38، 39)

جبکہ زیر علی زئی زیر بحث حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: اس سند میں عاصم بن کلیب اور ان کے والد دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم و مقام ص 38)

پریشانی کا حل:

راوی عاصم بن کلیب کے بارے میں آپ نے دونوں اقوال ملاحظہ فرما لیے۔ ایک محقق صاحب فرماتے ہیں: عاصم بن کلیب باتفاق کبار محدثین (واضح رہے کہ صفار محدثین نہیں فرمایا۔ از راقم) سخت درجے کا (معمولی اور درمیانے درجے کا بھی نہیں فرمایا۔ از راقم) ضعیف ہے۔ جب کہ دوسرے کی تحقیق بالکل اس کے برعکس ہے۔ اب یقینی بات ہے کہ یہ صورت حال غیر مقلدین کے لیے انتہائی تشویش ناک اور پریشان کن ہے کہ وہ بے چارے بیک وقت دو متضاد تحقیقوں پر کیسے عمل کر سکتے ہیں؟ کسی ایک کی تحقیق کو غلط کہہ کر رد بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں اپنے مسلک کے نامور و معتبر محقق ہیں۔ اب کریں تو کیا کریں؟ ناطقہ سر بگرباں ہے اسے کیا کیسے؟

ایک شبہ کا ازالہ:

راوی مؤمل بن اسماعیل کے ثقہ ہونے پر یہ دلیل دینا بے سود ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں اس کا ذکر کیا ہے مگر جرح نہیں کی۔ یا فلاں محدث نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ غیر مقلدین کے پیشوا جناب زیر علی زئی نے خود یہ اصول لکھا ہے: یہ بات عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ عدم ذکر سے نفی ذکر لازم نہیں آتا..... یعنی کسی چیز کے عدم ذکر سے اس کا

عدم وقوع لازم نہیں آتا۔ (نور العینین ص 129)

جب آپ نے خود فرمادیا کہ کسی چیز کا تذکرہ نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز ہی سرے سے وجود نہیں۔ تو بات بالکل واضح ہو گئی کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مؤمل پر جرح نہ کرنے (بقول آپ کے) اور ضعیف نہ کہنے سے بھی یہ لازم نہیں آئے گا کہ وہ سرے سے مجروح اور ضعیف بھی نہیں۔ لہذا آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے جرح نہیں کی، یوں نہیں کہہ سکتے کہ امام بخاری کا جرح نہ کرنا اس کے ثقہ و صدوق ہونے کی دلیل ہے۔

فیصلہ آپ کریں:

1: فتاویٰ علمائے حدیث ج 3 ص 91 پر لکھا ہے: ”حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا عبد الرحمن مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک بظاہر صحیح ابن خزیمہ کی یہ حدیث حسب ذیل سند سے مروی ہے۔ ”عن عفان عن ہمام عن محمد بن حماد عن عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولیٰ لہم عن ابیہ انتہی“ اور اسی سند سے مسلم شریف میں یہ متن بغیر زیادت علی الصدر کے بایں الفاظ مروی ہے ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری۔“

☆ شیخ صاحب نے صحیح ابن خزیمہ والی روایت کو جو سند بتائی ہے وہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔ البتہ صحیح ابن خزیمہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کی سند یوں درج ہے۔ ”أخبرنا أبو طاهر، نا أبو بکر، نا أبو موسى، نا مؤمل، نا سفيان، عن عاصم بن كليب، عن ابیہ عن وائل بن حجر قال۔“

(صحیح ابن خزیمہ ج 1 ص 272)

2: ابوالحسنات علی محمد سعیدی فتاویٰ علمائے حدیث ص 95 کے حاشیہ میں تحریر

کرتے ہیں: ”حضرت شیخ الشیوخ حضرت عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ نے بھی امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے ”فصل لربك وانحر“ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھ۔“

☆ سعیدی صاحب نے لکھنے کو تو یہ بات لکھ دی ہے مگر حقیقت نہیں خلاف حقیقت اور بالکل غلط لکھی کیونکہ عوارف المعارف میں ”علی الصدر“ نہیں بلکہ ”تحت الصدر“ کے الفاظ لکھے ہیں اور ایک ابتدائی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ”تحت الصدر“ کا معنی سینے کے نیچے ہوتا ہے نہ کہ سینے پر۔

(دیکھیے عوارف المعارف عربی نسخہ ص 309، اردو مترجم ص 463)

3: مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ”سینے پر ہاتھ باندھنے اور رفع یدین کرنے کی روایات بخاری و مسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں۔“

☆ جبکہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی ایک روایت بھی بخاری و مسلم تو درکنار پوری صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ مگر مولانا امرتسری کے اس نئے انکشاف نے ہمیں حیرت میں ڈال دیا ہے۔ اس لیے ہماری منکرین فقہ نام نہاد اہل حدیثوں سے گزارش ہے کہ وہ ”بکثرت روایات“ نہ سہی کم از کم صرف ایک روایت ہی بخاری و مسلم سے دکھادیں۔ اگر واقعاً بخاری و مسلم بلکہ پوری صحاح ستہ میں کوئی ایسی روایت موجود ہو تو ازراہ کرم ہمیں ضرور آگاہ فرمائیں۔ آپ کی طرف سے ذرا سی زحمت ہمارے علم میں اضافے کا سبب بن جائے گی اور اس سے آپ کے ”شیخ الاسلام“ کا بھرم بھی قائم رہ جائے گا۔ دیدہ باید!!

4: علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کے بارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے

ہیں: چنانچہ علامہ عینی حنفی جو اپنے مذہب کی تائید میں بڑے مستعد ہیں، اپنی شرح بخاری عمدۃ القاری میں اعتراف فرماتے ہیں:

احتج الشافعی بحديث وائل بن حجر اخرجہ ابن خزيمة في صحيحه قال
صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليميني على يده اليسرى
على صدره وليستدل لعلمائنا الحنفية بدلائل غير وثيقة۔

(فتاویٰ ثنائیہ ج 1 ص 457)

☆ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ خط کشیدہ عبارت علامہ عینی رحمہ اللہ نے
نہیں لکھی، نہ ہی یہ الفاظ عمدۃ القاری میں موجود ہیں۔ اگر آپ کو کبھی کہیں سے
مل جائیں تو ہمیں ضرور بتائیے گا۔

5: مولوی یوسف جے پوری ہدایہ کے حوالے سے لکھتا ہے: مرزا مظہر جان جاناں سینے
پر ہاتھ باندھنے والی روایات کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتا تھا اور خود بھی ہاتھ سینے
پر ہاتھ باندھتا تھا۔
(حقیقۃ الفقہ ص 193)

☆ یاد رہے کہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین کی وفات 593ھ میں ہوئی۔ جبکہ
مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ اُن کے وصال کے 518 سال بعد 1111ھ میں
پیدا ہوئے تھے۔ اب اس راز سے پردہ اٹھایا جائے کہ آخر مرزا صاحب کا یہ عمل
اور قول اپنی ولادت سے 518ھ سال پہلے والی کتاب میں کیسے درج ہو گیا؟؟

مذکورہ بالا دلائل اور تحقیق بحث سے معلوم ہوا کہ منکرین فقہ اپنے موقف
کو ثابت کرنے کے لیے جس روایت کو بنیاد بناتے ہیں وہ تحقیق کے میدان میں اس قدر
کمزور ہے کہ خود منکرین فقہ بھی اس کے معترف ہیں۔

طالبِ حدیث کو امام بخاری کی عجیب نصیحت

کھ..... شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

محمد بن احمد کہتے ہیں کہ جب ولید بن ابرہیم مقام ری کے قضا سے معزول ہو کر بخارا پہنچے تو میرے استاذ ابو ابراہیم ختلی مجھے ساتھ لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ نے جو روایات حدیث ہمارے مشائخ اور اساتذہ سے سنی ہیں ان کو روایت کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے احادیث کی روایات نہیں سنیں، میرے استاد نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ آپ بڑے فقیہہ متحر ہو کر ایسی بات فرماتے ہیں۔

انہوں نے اپنا قصہ سنایا کہ جب میں عاقل بالغ ہو گیا اور مجھے علم حدیث کا شوق ہو تو میں امام بخاری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غرض ظاہر کی انہوں نے ناصحانہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا جب کسی کام کا ارادہ کرو تو اس سے پہلے اس کے متعلق اس کے لوازمات اور حالات دریافت کر لینا چاہئیں۔ اس کی حدود معلوم کرنے کے بعد اس کا ارادہ کرنا چاہیے۔

اب سنو کہ آدمی محدث کامل اس وقت تک نہیں ہو سکتا کہ چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ ایسے لکھے جیسے کہ چار چیزیں چار چیزوں کے ساتھ مثل چار چیزوں کے چار زمانوں میں چار حالات کے ساتھ چار مقامات میں چار چیزوں پر چار نوع کے اشخاص سے چار اغراض کے لیے۔ اور یہ سب چوکڑے پورے نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو دوسرے چار کے ساتھ ہوں اور جب یہ سب پورے ہو جاویں تو

اس پر چار چیزیں سہل ہو جاتی ہیں اور چار مصائب کے ساتھ مبتلا ہوتا ہے اور جب ان پر بھی صبر کرے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزوں کے ساتھ دنیا میں اکرام فرماتے ہیں اور چار چیزیں آخرت میں نصیب فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائیں ان چوکڑوں کی تفسیر تو فرمادیجئے، انہوں نے فرمایا ہاں ہاں سنو۔

وہ چار جن کے لکھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

1. فرمودہ احادیث، احکامات

2. صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور ان صحابہ کے مراتب کہ کون شخص کس درجہ کا ہے؟

3. تابعین کے ارشادات اور ان کے حالات کہ کون شخص معتبر ہے اور کون غیر معتبر؟

4. اور جملہ علماء رواۃ کے حالات اور ان کی تواریخ

مع ان چار چیزوں کے:

1. ان کے اسماء و رجال لکھے

2. ان کی کنیتیں

3. ان کے رہنے کے مقامات

4. اور ان کی پیدائش و وفات کے زمانے (جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جن

لوگوں سے روایت کر رہا ہے ان سے ملاقات بھی ہوئی یا نہیں)

یہ ایسے لازمی ہیں جیسے:

1. خطبے کے ساتھ حمد و ثناء

2. رسل کے ساتھ دعاء یعنی ان پر صلوٰۃ و سلام

3. سورت کے ساتھ بسم اللہ

4. اور نماز کے ساتھ تکبیر

اور مثل چار چیزوں کے جیسے:

1. مسندات

2. مرسلات

3. موقوفات

4. اور مقطوعات کہ یہ علم حدیث کی چار اقسام کے نام ہیں۔

چار زمانوں میں:

1. بچپن میں

2. قریب البلوغ زمانہ میں

3. بالغ ہونے کے بعد

4. اور بڑھاپے سے پہلے تک حاصل کرتا رہے۔

اور چار حالات کا مطلب یہ ہے:

1. مشغولی کے وقت

2. فراغت کے وقت

3. تنگی میں

4. اور تونگری میں غرض ہر حال میں اس طرف لگا رہے اور اسی کی دھن ہو۔

چار مقامات میں یعنی:

1. پہاڑوں پر

2. دریاؤں میں

3. شہروں میں

4. اور جنگلوں میں۔ غرض جہاں جہاں کوئی معلم حدیث معلوم ہو سکے اس سے حاصل کرے۔

چار چیزوں پر یعنی:

1. پتھروں پر

2. سیپوں پر

3. چمڑے پر

4. اور ہڈیوں پر۔ غرض اس وقت تک کاغذ ملے اور اس پر لکھنے کی نوبت آوے جو چیز ملے اس پر لکھ دے تاکہ مضمون ذہن سے نہ نکل جائے۔

جن چار سے حاصل کرے وہ:

1. اپنے سے بڑے

2. اپنے سے چھوٹے

3. اپنے برابر والے

4. اور اپنے باپ کی کتب سے۔ بشرطیکہ اس کا خط پہچانتا ہو (غرض جس طرح بھی معلوم ہو سکے کوتاہی نہ کرے نہ اپنے برابر والے سے، چھوٹے سے حاصل کرنے میں عار کرے)

چار چیزوں کی نیت سے:

1. سب سے مقدم حق سبحانہ تقدس کی رضا کے واسطے کہ آقا کی رضا کا طالب رہنا غلام کا فرض ہے۔

2. دوسرے جو مضامین کتاب اللہ کے موافق ہوں ان پر عمل

3. تیسرے طالبین و شائقین تک پہنچانا

4. چوتھے تصنیف و تالیف کہ بعد میں آنے والوں کے شمع ہدایت باقی رہے
اور یہ سب مذکورہ بالا حاصل نہیں ہو سکتے مگر چار چیزوں کے ساتھ جو بندہ کی کسی ہیں
کہ آدمی اپنی محنت اور مشقت سے ان کو حاصل کر سکتا ہے:

1. وہ علم کتابت یعنی لکھنا

2. علم لغت کہ جس سے الفاظ کے مطالب معلوم ہو سکیں

3. علم صرف

4. اور علم نحو کہ جن سے الفاظ کے مطالب معلوم ہو سکیں

اور یہ سب چار چیزوں پر موقوف ہیں جو حق تعالیٰ شانہ کی عطائے محضہ ہیں۔ بندہ کے
کسب پر موقوف نہیں وہ:

1. صحت

2. قدرت

3. حرص علی التعلیم

4. اور حافظہ

اور جب یہ سب حاصل ہو جائیں تو ان کی نگاہ میں چار چیزیں (طلب علوم کے مقابلہ
میں) حقیر ہو جاتی ہیں:

1. اہل

2. اولاد

3. مال

4. اور وطن

اور پھر چار مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے:

1. دشمنوں کی شہادت

2. دوستوں کی ملامت

3. جاہلوں کی طعنے

4. اور علماء کا حسد

اور جب آدمی ان سب پر صبر کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ چار چیزیں دنیا میں نصیب فرماتے ہیں اور چار آخرت میں دنیا کی چار حسب ذیل ہیں:

1. اول قناعت کے ساتھ عزت

2. دوسرے کمال یقین کے ساتھ وقار و ہیبت

3. تیسرے لذت علم

4. اور چوتھے دائمی زندگی

اور آخرت کی چار یہ ہیں:

1. اول شفاعت جس کے لیے دل چاہے

2. دوسرے عرش کا سایہ اس روز جس دن کہ سوا کوئی سایہ ہی نہیں ہوگا

3. تیسرے حوض کوثر سے جس کو دل چاہے پانی پلائے

4. چوتھے انبیاء کا قرب اعلیٰ علین میں

پس بیٹا میں نے جو کچھ اپنے مشائخ سے متفرق طور پر سنا تھا مجملًا سب بتا دیا۔ اب تجھے اختیار ہے کہ حدیث کا مشغلہ اختیار کریا نہ کر۔

(اقتباس: شریعت و طریقت کا تلازم)

کھ..... مولانا محمد ارشد سجاد

تذکرۃ المحدثین:

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ

امت مرحومہ میں بے شمار ایسی شخصیات گزری ہیں جن کو قدرت نے اسرار کائنات کے علم سے نوازا ہے۔ ان برگزیدہ شخصیات میں سے ایک ہستی جلیل القدر تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی ہے۔

آپ کی ولادت کے بارے میں کتب تاریخ میں کوئی حتمی رائے نہیں ملتی کہ کس سن؟ کس ماہ؟ اور کون سے دن پیدا ہوئے؟ البتہ اتنا ضرور ملتا ہے کہ آپ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری دو سالوں میں پیدا ہوئے اور ایسے گھرانے میں پرورش پائی جس میں تقویٰ و پاکیزگی کی خوشبو چار اطراف میں پھیلی ہوئی تھی یہی وجہ تھی کہ اللہ رب العزت نے آپ کو علم و حکمت کا خزانہ اور بحر ذخار بنایا۔ اور مقام ولایت کے ساتھ ساتھ خوابوں کی تعبیر کا بھی غیر معمولی جوہر عطا کیا۔ جس کی وجہ سے آپ فن تعبیر کے امام کہلائے گئے۔

مقام و مرتبہ:

جب صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے محمد بن سیرین غسل دیں اور وہی جنازہ پڑھائیں۔ (سیر تابعین ص 146)

علم حدیث میں بلند مقام:

اگرچہ آپ کی شہرت اور مقبولیت فن تعبیر رویا (خوابوں کی تعبیر) میں بہت زیادہ تھی اور آپ اس فن کے بلا شرکت غیرے امام کہلائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ

آپ کو اللہ کریم نے علم حدیث میں خوب ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آنمو صوف نے روایت حدیث، تحقیق و تنقیح میں اور ثقاہت کا ایک عمدہ معیار قائم کیا ہے کہ صرف جماعت حقہ اہل السنۃ والجماعت ہی سے روایت لی جائے۔ روافض، خوارج، معتزلہ اور دوسرے بدعتی فرقوں کی مرویات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔

ابن سیرین اور سند حدیث:

اسی سلسلہ میں امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ اپنی شہرت یافتہ کتاب ”میزان الاعتدال فی نقد الرجال“ کے مقدمہ میں ان ثقہ راویوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جن کی احادیث قابل استناد نہیں سمجھی گئیں، لکھتے ہیں: ”روی عاصم الاحوال عن ابن سیرین قال لم یکنوا یسئلون عن الاسناد وحتی وقعت الفتنة فلما وقعت نظروا من کان من اهل السنة اخذوا حدیثه ومن کان من اهل البدعة ترکوا حدیثه۔“ (مقدمہ میزان الاعتدال ج 1 ص 47)

ترجمہ: امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اوکل میں حدیث کی روایت میں اسناد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا، انجام کار فتنے اٹھنے لگے اور صالحین امت کی طرح اہل بدعت نے بھی روایت حدیث شروع کر دی تو ہم نے حق و باطل میں امتیاز کرنے کے لیے یہ معیار مقرر کیا کہ صرف اہل السنۃ والجماعت سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کی روایت کردہ حدیث چھوڑ دی جائے۔

☆ تنقیح روایت کا بہت عمدہ اور معیاری اصول حضرت امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ورنہ آج اصل و نقل، صحیح و موضوع میں تمیز کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

ابن سیرین اور مورق عجمی:

حضرت مورق عجمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں نے ورع و تقویٰ میں اور فقہ

میں محتاط محمد بن سیرین سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔“ (تہذیب التہذیب ج 5 ص 628)

ابن سیرین اور ابو قلابہ:

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”اے لوگو! تم جس حیثیت سے چاہو امام محمد بن سیرین کو جانچ لو! انہیں ورع و تقویٰ میں اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ کنٹرول کرنے والا پاؤ گے۔“

(تہذیب التہذیب ج 5 ص 628)

ابن سیرین اور ابن عون:

حضرت ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میں نے دنیا میں تین اشخاص بے مثال دیکھے۔ عراق میں محمد بن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء بن حیوہ پھر ان تینوں میں ابن سیرین بے مثال تھے۔“

(تہذیب التہذیب ج 5 ص 628)

ابن سیرین اور عثمان بنی:

حضرت عثمان بنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”بصرہ میں محمد بن سیرین سے بڑھ کر عہدہ قضاء کو کوئی جاننے والا نہیں گزرا۔“

(تہذیب التہذیب ج 5 ص 628)

آج کا زمانہ اور خوابوں کی دنیا:

آج کل مسلمان اپنی عملی زندگی میں مسلسل پیچھے کی جانب جا رہا ہے، ایمان و عقیدہ میں انحطاط کا شکار ہے، اہل حق علماء سے جس قدر دور ہو رہا ہے اسی قدر جعلی پیروں و فقیروں کے جھنجھٹ میں پڑ کر جہاں اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے وہاں اپنی دنیا بھی لٹوائے جا رہا ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کی خوابوں کی دنیا ایسی آباد ہوئی ہے کہ حقیقت کی دنیا فراموش ہو کر رہ گئی ہے۔ بات بات پر یہی سننے کو ملتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ یوں کر لیں تو فائدہ ہو گا اور یوں کر لیں تو نقصان ہو گا، اتنی بات

یقینی ہے کہ خواب کا آنا ناقابل انکار حقیقت ہے لیکن تعبیر خواب کے حوالہ سے یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ خواب اچھا ہو یا برا ہر آدمی کے سامنے بیان نہ کرے۔ کیونکہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ: خواب بندے اور اس کی تعبیر بتانے والے کے درمیان لڑکار ہوتا ہے جو تعبیر بتلائے گا ویسا ہی ہو گا اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اپنا خواب نیک، متقی، عالم باعمل اور اپنے قریبی دوست سے بیان کرے تاکہ وہ اچھی تعبیر بتائے۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی کتاب تعبیر الروایا کے مقدمے میں حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں: چار قسم کے لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھنا جائز نہیں ہے:

1. بے لوگوں سے جو شریعت کے پابند نہ ہوں۔
2. عورتوں سے۔
3. جاہلوں سے۔
4. دشمنوں سے۔

(تعبیر الروایا ص 47)

وفات:

9 شوال 1110ھ کو یہ علم و فضل کا بے تاج بادشاہ، علم حدیث و تعبیر کا ماہر زندگی کی 77 بہاریں دیکھ کر دار آخرت کی چل دیا۔ آج بھی دنیا ان کے علم و فن سے فائدہ اٹھا رہی ہے۔ بالخصوص خوابوں کی تعبیر دینے میں ان کی کتاب تعبیر الروایا بنیادی نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

دوسرا سالانہ علماء اجتماع

محترم و مکرم مولانا _____ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عقائد و مسائل اہل السنۃ و الجماعت کی ترویج اور اشاعت کے سلسلہ میں
مرکز اہل السنۃ و الجماعت سرگودھا میں ”علماء اجتماع“ کا انعقاد کیا جا رہا ہے جس میں
آنجناب کی شرکت بہت مفید ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ

نظام الاوقات:

22 دسمبر 2013ء بروز اتوار

پہلی نشست: 9 بجے صبح تا 12 بجے

وقفہ برائے کھانا و نماز: 12 بجے تا 1:30 بجے دوپہر

دوسری نشست: 2 بجے تا 3:30 بجے سہ پہر

نوٹ:

- 1: اگر مسلکی کام کی ترویج کے لیے کوئی مشورہ ہو تو لکھ کر لائیں۔
 - 2: دیگر علماء کرام کو بھی دعوت دے کر اپنے ہمراہ لانے کی کوشش فرمائیں۔
 - 3: اگر رات قیام کا ارادہ ہو تو بستر ہمراہ لائیں۔
 - 4: ”تحقیق المسائل کورس برائے اساتذہ سکولز و کالجز“ کے لیے اساتذہ کو ترغیب دے کر روانہ فرمائیں۔ یہ مسلک حق کے ساتھ آپ کا بہت بڑا تعاون ہو گا۔
- (”تحقیق المسائل کورس“ کا شیڈول اسی دعوت نامہ کے ساتھ روانہ ہے)
- منجانب: انتظامیہ مرکز اہل السنۃ و الجماعت 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

برائے رابطہ: 048-3881487، 0346-7357394

اسکولز و کالجز کے اساتذہ کرام کے لیے

تین روزہ تحقیق المسائل کورس

جس میں عقائد و مسائل کے حوالے سے اسباق ہوں گے

زیر نگرانی: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

بمقام: مرکز اہل سنت والجماعت سرگودھا

نظام الاوقات:

آغاز: 23 دسمبر 2013ء بروز پیر صبح 8 بجے ان شاء اللہ

اختتام: 25 دسمبر 2013ء بروز بدھ شام 3 بجے انشاء اللہ

نوٹ:

1: کورس میں شرکت کے خواہش مند اساتذہ 22 دسمبر مغرب تک تشریف لائیں۔

2: موسم کے مطابق بستر ساتھ لائیں۔

3: کاغذ، قلم ہمراہ لائیں۔

منجانب: انتظامیہ مرکز اہل سنت والجماعت 87 جنوبی سرگودھا

لوحِ ایام

22 اکتوبر 2013ء: قرآن و سنت اور فقہ کی اشاعت و تحفظ کے عالمی ادارے مرکز اہل السنۃ والجماعت 87 جنوبی سرگودھا میں نامور عالم دین اور بزرگ مولانا نعیم الدین آف لاہور تشریف لائے۔ مرکز کی نئی تعمیر اور سرپرست مرکز متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کی تحریکی کاوشوں کو سراہا اور دعا کرائی۔

25 اکتوبر 2013ء: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن؛ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی دعوت پر چناب نگر کی سالانہ کانفرنس میں مہمان خاص کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور عقیدہ ختم نبوت پر مدلل گفتگو فرمائی۔

26 اکتوبر 2013ء: سفیر احناف مولانا محمد الیاس گھمن چار دن کے مسلکی، علمی، تبلیغی اور دعوتی دورہ جنوبی پنجاب کے سفر پر روانہ ہوئے۔ جس میں ملک کے معروف دینی جامعات اور پبلک مقامات پر عقیدہ و عمل کے حوالے سے بیانات فرمائے۔

14 نومبر 2013ء: ملک کے معروف ادارے جامعۃ الرشید کراچی سے مفتی ابولبابہ دامت برکاتہم درس قرآن کورس کرانے کے لیے مرکز اہل السنۃ والجماعت 87 جنوبی سرگودھا تشریف لائے۔

15 نومبر 2013ء: بمطابق 10 محرم الحرام کو مرکز اہل السنۃ والجماعت میں بھائی شفقت الہی کا نکاح ہوا۔ اس موقع پر متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ نے محرم میں اور بالخصوص 10 محرم میں نکاح کی فضیلت پر زور دیتے ہوئے مدلل بیان فرمایا۔ اللہ کے فضل و کرم سے معاشرے میں رسوم و رواج اور عقائد بد کی تردید کے لیے عملاً اللہ تعالیٰ نے مرکز اہل السنۃ والجماعت کو قبولیت سے سرفراز فرمایا ہے۔



مرکز اہل السنّت والجماعت

زیر سرپرستی

محمد الیاس گھمن

ایک ادارہ، ایک تحریک

شعبہ جات

شعبہ حفظ القرآن الکریم

ایک سالہ تخصص فی التحقیق والدعوة (برائے فضلاء کرام) ماہ شوال تا ماہ شعبان

پندرہ روزہ دورہ تحقیق المسائل (برائے طلبہ عظام) ماہ شعبان

تین روزہ تحقیق المسائل کورس (برائے عوام الناس)

ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات شام تا اتوار صبح ۱۰ بجے

ماہانہ مجلس واصلاحی بیان (برائے مریدین وساکنین)

ہر انگریزی ماہ کی پہلی جمعرات مغرب تا عشاء

قافلہ حق (سہ ماہی) - فقیہ (ماہنامہ) - بنات اہل السنّت (ماہنامہ برائے خواتین)

مکتبہ اہل السنّت والجماعت

(فکری و نظریاتی کتب، پوسٹرز، آڈیو کیسٹس اور سی ڈیز کی ترسیل کیلئے)

مرکز اصلاح النساء (خواتین اور بچیوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کا ادارہ)

احناف میڈیا سروس www.ahnafmedia.com

(پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اسلامک کلچر کے فروغ کیلئے)

احناف ٹرسٹ (مندرجہ بالا تمام شعبہ جات میں مالی معاونت کیلئے)

ان تمام شعبہ جات میں مرکز کے ساتھ زکوٰۃ، عشر صدقات کی مدد میں تعاون فرمائیں

محمد الیاس

بنام

اکاؤنٹ نمبر

1401-03600000900

میزان بینک سرگودھا

مرکز اہل السنّت والجماعت، 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا

خط و کتابت